سخت احتیاط اور نگرانی کی ضرورت ہی، مثلاً عربی الفاظ کثیر یحیٰ، الکم کی جلد پر کثیر یحیٰ اور لعم لکھا ہے، ترکی و دور فارسی کے الفاظ پر اعراب دینا نہایت ضروری ہے، چھ آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر جناب محمد الدین صاحب خانم مدرسہ نظامیہ بمبئی نمبر ۹ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مذہب اور تلوار، آریون اور عیسائیون کی طرف سے عموماً اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا، اس کے جواب مین مولوی اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی نے مذہب اور تلوار کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے، جس مین یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کے علاوہ تقریباً ہر مذہب نے اپنی اشاعت کیلئے تلوار اٹھائی ہے، مسلمانون کی بہت سی قومین خود بخود اسلام لائین، مسلمانونکی تقریباً تمام مشہور جنگون کے اسباب دعلل کو بیان کرکے یہ دکھایا ہے کہ مسلمانون نے عموماً مدافع، اور مظالم کی روک تھام کے لیے تلوار اٹھائی کتاب کے سرورق پر کتاب کا خلاصہ مباحث ذیل کے لفظون مین تحریر ہے،

جس مین اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہو کہ تلوار کا استعمال مذہب مین قطعاً ناجائز ہے"

مگر نہ تو یہ واقعہ ہے، اور نہ خود مصنف کی تحریر کا یہ صحیح خلاصہ ہے، طباعت اور مضمون دونون اعتبار سے یہ کتاب اچھی ہے اور مفید ہے، قیمت ۶؍ پتہ منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاء الدین پنجاب،

دختر ستمگر ٹرکی کی مشہور ادیبہ خاتون خالدہ ادیب خانم کے مشہور ناول "قمیص من نار" (آتشین کرتا) کا اردو ترجمہ ہے جس مین فاضلہ موصوفہ نے ٹرکی اور یونان کی گذشتہ جنگ اور ترکون کے صحیح کیریکٹر کا نقشہ قصہ کے پیرایہ مین پیش کیا ہے، مترجم مولوی غلام ربانی صاحب لودھی (علیگ) نے بامحاورہ اور سلیس اردو مین ترجمہ کیا ہے، قیمت عہ؍ پتہ: منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاء الدین پنجاب،

تیغ کمال، یہ ایک ناول کا نام ہے، جس مین جناب مولوی راشد الخیری صاحب نے ترکونکی فتوحات اور اتحادیونکی دماغی پریشانی کو افسانہ بنا کر پیش کیا ہے، مولوی خیری صاحب نے زنانہ ادبیات کے بجائے عام فسانہ نگاری کی راہ مین پہلا قدم رکھا، قیمت عہ؍ پتہ منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاء الدین پنجاب،

مجلد سیزدہم | ماہ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۴ء | عدد دوم

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ یہ نمبر پے در پے خانگی مصائب اور علالتون کے باعث دو ہفتون کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے، شہر مین طاعون کی وبا پھیلتی جارہی ہے، کہ نہین سکتے کہ آیندہ پرچہ بھی وقت پر شائع ہو سکے گا یا نہین، احباب سے توقع ہے کہ اس تاخیر سے دلگیر نہ ہونگے،

دسمبر کے معارف مین تنقید شعر العجم کے سلسلہ مین ڈاکٹر اقبال اور پروفیسر اقبال کے تشابہ پر رسالہ اردو کو جو وہم نے ٹوکا تھا، اس نے اورنگ آباد سے لیکر علی گڈہ تک ایک آگ سی لگا دی، اڈیٹر صاحب کی خنگی تو بجا تھی، مگر مہتمم صاحب مطبع مسلم یونیورسٹی کی بو الفضولی سمجھ مین نہین آئی، بہر حال معارف اور اردو کے شذرات ملک کے ارباب علم و فہم کے سامنے ہین، اور وہ انکو دیکھکر فیصلہ کر سکتے ہین کہ ان دونون مین کس کا معیار اخلاق بلند ہے، ہمعصر الناظر نے اردو کو اسکی اس "عامیانہ" روش پر ٹوکا کہ شاید مؤلف قواعد اردو، اردو کی عامیانہ ضرب الامثال پر کوئی کتاب تالیف فرما رہے ہین، اس لیے بے اختیار انکی زبان قلم سے ایک منجھا ہوا فقرہ نکل آیا، معارف کے ایک معمولی لیکن ذرا سی شذرہ پر جس سے ملک کے متعدد اہل قلم کو باہمی الجھاؤ سے نجات مل گئی، اردو کی اس برافروختگی کو دیکھکر ہم کو بے اختیار ہنسی آتی ہے کہ وہ ایک معمولی گرفت سے اس قدر برہم ہے، اور ان لوگون کو صبر و رضا و تسلیم کی دعوت کرتا ہے جن کے ایک بزرگ کو طعن و طنز، لہجہ کی درشتی، اور تجہیل کے ساتھ وہ مہینون سے یاد کر رہا ہے، اور اسکا فیصلہ ہمعصر دلگداز اور الناظر کے تماشا نہ فیصلون سے ہو سکتا ہے،

اسلامی تعلیمی کانفرنس کے شعبۂ نمائش علمی کی تفصیلی روداد، اب تک چھپکر سامنے نہین آئی، انتظار رہا کہ اس مہتم بالشان نمائش کا جو یقیناً اسلامی ہندوستان مین اپنی حیثیت کا مکمل ترین علمی کارنامہ تھا، ایک مفصل روداد چھپکر شائع ہوتی، تاکہ یہ نوادر روزگار جو اتفاق سے یکجا ہوگئے تھے اور پھر بکھر گئے، ان کا قلمی تذکرہ تو کم از کم یکجا رہتا، شاید کانفرنس کی مطبوعہ علیحدہ روداد مین اسکا ذکر آئے، اخبارات مین اس کے تذکرے بہت ناقص آئے، کانفرنس گزٹ مین بھی مجمل ہی ذکر رہا، بہر حال کانفرنس کی الہ آباد (؟) کی اور ندوہ کی بنارس کی علمی نمائشون سے اس نمائش کی حیثیت بلند تر معلوم ہوتی ہے، صاحبزادہ صاحب نے مقامات قرآنی کے نقشون پر خطبہ دینے کے لیے مجھے یاد فرمایا تھا افسوس ہے کہ یہ بے نشان خط (مقام کا نام چھوٹ گیا تھا) ڈیڈ لیٹر آفس مین پڑکر بعد از وقت ملا، ورنہ مین خوشی سے اسکی تعمیل کرتا،

اہل فرنگ کی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے دعوے جس بلند آہنگی سے سنے جاتے ہین، اس "طبل بلند بانگ کی تہیج باطنی" "تو ڈریپر کی" تاریخ رزم علم و دانش" کے صفحات سے ہویدا ہے، مگر موجودہ عہد بھی اس کے نئے نئے نظائر پیش کرتا رہتا ہے، ابھی حال مین خبر آئی ہے کہ امریکہ مین ایک پادری صاحب نے مسیح کی غیر معمولی الوہیانہ ولادت کا انکار کیا تھا، عدالت مین ان پر مقدمہ قائم ہے اسلام کی تنگ نظری تو ان تنگدلون کے نزدیک وسیع شہرت رکھتی ہے، لیکن آزادی کے ملک کے متعلق جو خبر ہے،

یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین؟

مقالات

شعر العجم اور عمر خیام

مولانا شبلی کی مشہور تصنیف شعر العجم کئی سال سے پنجاب یونیورسٹی کے کورس مین داخل ہی اور اس تقریب سے وہ کالجون کے فارسی پروفیسرون کے ہاتھون مین پہنچ گئی ہی، شاعری کا نازک مذاق، اور سخن فہمی کی دقیقہ رسی تو کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی کی سند سے نہین حاصل ہو سکتی، یہ تو صرف درگاہ قدرت کی طرف سے عطا ہوتی ہی اور اس کا استحقاق صرف اس کے فضل و کرم کی معیت ہی، سعی و محنت نہین،

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کورس کی کتابون کو پڑھانے کے لیے اساتذہ کو ان کے متعلق تیاری بھی کرنی پڑتی ہی اور اظہار لیاقت یا طلبہ کے اضافۂ معلومات کے لیے زیر درس کتابون پر نقد و تبصرہ بھی اساتذہ کا ایک ضروری فرض ہے لیکن شعر العجم اردو کے مشہور نازک قلم مہدی مرحوم کے بقول واقعات کی کھتونی نہین، بلکہ حسن و عشق کا صحیفہ ہی شعر العجم شعرا کے اسماء و القاب، سنین و سال، اور امراء و سلاطین کی تنقیدی تاریخ نہین بلکہ فارسی شاعری کا تنقیدی تبصرہ ہے، شعر العجم مین ہر شاعر کا تذکرہ سوانح پہلی چیز نہین، دوسری چیز ہو، اسکی پہلی چیز ہر شاعر کا شاعرانہ کمال اور اسکی سخنوری کا معنوی جوہر ہے، غرض وہ جسم و مادہ کی تاریخ نہین، بلکہ روح و دماغ کی تاریخ ہے.

باین ہمہ کچھ دنون سے رسالۂ **اردو** (اورنگ آباد دکن) مین شعر العجم پر ایک مسلسل تنقید نکل رہی ہے، جس کی طرف پہلے اس لیے ہم نے توجہ نہ کی کہ یہ نقاد کی شعر العجم پر تنقید نہین، بلکہ مغربی مستشرقین کی مشرقی تذکرہ نویسون پر تنقید ہے، اور شعر العجم کا پردہ مضمون نگار نے صرف اس لیے رکھا ہی تاکہ "طعنۂ نیکان" کے وسیلہ سے وہ اپنے اخلاق حسنہ کی پردہ دری کر سکین،

اکتوبر ۲۳ء کے نمبر مین جناب نقاد اپنے "غم تنہائی" کے ازالہ کے لیے ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال معلم فارسی اورنیٹل کالج لاہور کو بھی اس دشت خارزار مین اپنے ساتھ لگا لائے ہین، ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات انگلستان مین سنہ ۱۹ء مین ہو چکی ہی اور وہ اس وقت پروفیسر براؤن کے ماتحت طالب علم کا فرض انجام دے رہے تھے، پروفیسر براؤن اس وقت میری نگاہ مین تمام انگلستان مین مشرقیات کے سب سے بڑے عالم ہین، انھون نے اقبال صاحب کی مجھ سے حوصلہ افزا توصیف کی تھی اور اس لیے اس وقت سے برابر انکی نسبت میرا حسن ظن قائم رہا، لیکن دفعتہً رسالۂ اردو مین انکا مضمون "شعر العجم اور عمر خیام" دیکھکر حیرت سی ہو گئی، شعر العجم کا مصنف اگر آج زندہ ہوتا تو کالجون کے السنۂ مشرقیہ کے پروفیسرون کے ان "تنقیدات عالیہ" کو دیکھکر وہی جواب دیتا جو ایک مشہور ایرانی شاعر نے اپنے ایک ہمنشین معترض کو دیا تھا کہ "**شعر مرا بمدرسہ کہ برد**"؟

حضرت نقاد کے طرز بیان کی اخلاقیت یعنی زبان کی تیزی، لہجہ کی سختی، اور قلم کی بیباکی اور متکبرانہ شان غرور کی نمائش کی نسبت مین اس سے زیادہ کچھ کہنا نہین چاہتا، جتنا ہماری زبان کے پرانے انشا پرداز مولنا عبد الحلیم شرر نے اس کے متعلق اپنے رسالۂ دلگداز (جون ۲۳ء) مین لکھا ہے!

"شبلی مرحوم کی شعر العجم پر ایک نہایت محققانہ ریویو نکل رہا ہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اعتراضات تمام صحیح ہین، مگر یہ کہنے کو جی چاہتا ہی کہ خدا نے ان قابل ریویو نگارون کو جتنا علم و فضل دیا ہی اتنا ہی ضبط و تحمل بھی عطا کرتا، یہ کوئی نئی بات نہین ہی، عربی لٹریچر تعقبات سے بھرا پڑا ہی، ضخیم کتابین موجود ہین، جو ایک مصنف کے بعد آنے والے محققون نے لکھین، دنیا کی تحقیق صرف ایک مصنف کے قلم سے نہین ہو جاتی، تکمیل ہمیشہ ایک دوسرے کا نقد کرنے سے ہوتی ہی، مولانا **شبلی** نے جب اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے، وہ متفرد تھے، اور تحسین و آفرین کی جو صدائین بلند ہوئین ان کے سچے مستحق، اور اب یہ ریویو نگار ان سے زیادہ مرحبا سننے کے اہل ہین، لیکن یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ جو کچھ پہلے لکھا گیا لغو و بیکار تھا،

کشورستان ادب کے اس تجربہ کار سیاح نے اس ملک کے نووارد مسافرون کو جنکا شاید اس راہ مین پہلا قدم ہے، جو کچھ فہمائش کی ہی، اسکی سچائی مین کسکو شک ہو سکتا ہی، مگر جلدی کی ضرورت نہین، جیسے جیسے آگے تجربہ ہوگا

رہ و رسم "ادب" سے انھین خود آگاہی ہوتی جائیگی،

ہمکو تسلیم ہو کہ ہمارے معترض پروفیسر کی نگاہ کے سامنے ادبیات ایران کا وہ پورا ذخیرہ موجود ہو جو یورپ مین مستشرقین نے اپنی تحقیق و کاوش سے پیدا کیا ہو، اور جسپر علمائے مشرق کو عموماً دسترس حاصل نہین، اس لیے یہ کسقدر مفید ہوتا کہ اس تخریبی پروگرام کے بجائے وہ تعمیری پروگرام اپنے سامنے رکھتے، اور شبلی کی غلط در غلط شعر العجم کے بجائے وہ صحیح اور سرتاپا صحیح شعر العجم لکھکر علم و ادب کو ممنون کرم فرماتے، ہمارے دوست پروفیسر اقبال شعر العجم کے عمر خیام کی تنقید کے بجائے اگر مظفریہ کے عمر خیام کو اُردو کا قالب پہناتے تو ہماری ملکی زبان پر کتنا بڑا احسان ہوتا،

افسوس اسکا ہو کہ جس طرح جدید تعلیم دوسرے شعبون مین صرف یورپ کی نقالی کو مایۂ کمال بتاتی ہو، علمی شعبہ مین بھی ہمارے "دکاترۃ" علم و فن صرف مستشرقینِ یورپ کی تقلید کو اپنا راس المال قرار دیے ہوئے ہین، اور جو کچھ اونکی زبان و قلم سے نکل جاتا ہو وہ ان کے نزدیک تمام ایشیائی علمار کی تحقیقات کی صحت و غلطی کا معیار ہو، اور وہ اس باب مین ایسی عدالت العالیہ ہو جس کے فیصلہ کے آگے بے چون و چرا سرِ تسلیم خم ہی کر دینا چاہئے،

ہمارے جدید ابنائے تعلیم اس تقلید مین اس قدر استوار ہین کہ وہ اپنے بزرگون کو بھی بزرگ اس لیے مانتے ہین کہ یورپ اُن کو ایسا مانتا ہو، عمر و خیام کے ساتھ یورپ کو اعتنا ہوئی، اور اسکی رباعیات فٹز جیرلڈ کی انگریزی زبان مین جاکر کچھ کی کچھ ہو گئی، اور چونکہ وہ خیالات یورپ کے موجودہ مادی خیالات "کھا، پی، خوش رہ" سے بہت ملتے جلتے ہین اس لیے یورپ نے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا، ورنہ مشرق مین رباعی گو، سخنور اور حکیم کی حیثیت سے وہ کوئی بڑا درجہ نہین رکھتا، نفس حکیمانہ خیالات اور صوفیانہ نکات کی گہرسنجی مین دیگر رباعی گو سخنور حکمار اور صوفیہ مثلاً حضرت ابوالحسن خرقانی، سلطان ابوسعید ابوالخیر، سحابی نجفی، اور آخر مین سرمد، خیام سے فروتر نہین ہین، اس بنا پر ہمارے دوست نے خیام کی طرف سے مشرق کی لاپروائی پر جو طعن و طنز کیا ہو وہ مذاق کی سلامت روی کا کچھ زیادہ صحیح استعمال نہین ہے،

اس سلسلہ مین ایک ضمنی تذکرہ زبانِ قلم پر آگیا ہے، هیرن ایلن کا عمر و خیام کا مشہور قیمتی اڈیشن چھپکر شائع ہوا تھا، مہدی حسن مرحوم جو نوادر مغرب کے بڑے قدر دان تھے اوسکو لیکر مولانا کی خدمت مین آئے اور ادھر ادھر سے

اسکو سنایا، مولانا نے ایک خاص رباعی کے متعلق فرمایا کہ اس کا ترجمہ ضرور ہی غلط ہوگا، چنانچہ وہ نکالی گئی، اور ترجمہ کی غلطی ظاہر تھی، مہدی مرحوم نے اس کو مولانا کی بجا گرفت سے مطلع کیا اس نے اعتراف کیا اور مولانا کا شکریہ ادا کیا، مولانا مرحوم نے برسبیل تذکرہ اس واقعہ کا ذکر ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا، مہدی مرحوم نے اپنے ایک مضمون "شعر العجم پر ایک فلسفیانہ نظر" مین ادھر اشارہ کیا ہو،

لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ خود هیرن ایلن جس نے رباعیات خیام کے متعدد مطبوعات خاصہ شائع کیے ہین، اور جنھین سے ایک نہایت قیمتی اڈیشن صرف دو سو نمبرون کے لیے چھپا تھا...... شبلی کی ایک سرسری تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا، جس مین فارسی کے مسلم الثبوت استاد پروفیسر ڈینی سن راس نے بھی ٹھوکر کھائی تھی،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، آمدم برسرِ مطلب،

پروفیسر اقبال نے شعر العجم کے تذکرۂ خیام پر حسب ذیل اعتراضات کیے ہین،

۱- مولانا نے خیام کے متعلق ان کے زمانہ تک معلومات کا جو سرمایہ مغرب مین فراہم ہو چکا تھا، اسکو نظر انداز کر دیا ہے، اور یہی ان پر سب سے بڑا الزام ہو،

۲- خیام کے حالات جن ماخذون سے مل سکتے ہین وہ دس ہین،
لیکن مولانا نے صرف پانچ سے فائدہ اُٹھایا ہے، اور پانچ کو چھوڑ دیا،

۳- مشرقی تذکرہ نویسون کی تقلید مین مولانا نے حسن بن صباح، نظام الملک اور عمر خیام کے ہم مکتب اور ہم سبق ہونے کا جو قصہ لکھا ہو وہ درایۃً غلط ہو،

۴- مولانا نے رباعیاتِ خیام کی تنقید مین یہ نہین بتایا کہ ان کے پیش نظر کونسا نسخہ تھا؟ کیونکہ خیام کی رباعیان مخلوط بہت ملتی ہین،

۵- مولانا نے خیام کی بعض ان تصنیفات کا ذکر نہین کیا جو یورپ کے مختلف کتبخانون مین ہین،

لہ افادات مہدی، صفحہ ۱۶۱،

۶۔ مولانا نے عرائس النفائس نام ایک کتاب خیام کی طرف غلط منسوب کر دیا ہی، اور زیچ خیام نام بھی کوئی کتاب یورپ نے نہین چھاپی ہی،

حقیقت تو یہ ہو کہ مولنا شبلی بھی منجملہ مصنفین کے ایک مصنف تھے، کسی مصنف کی نسبت معصومیت کا دعوی کرنا، فطرت انسانی کا انکار ہی، اور اسی طرح کسی تصنیف کی نسبت تکمیل اور عدم نقص کا ادعا بھی علم کی روز افزون ترقی کی توہین ہے، آج ان معترضین نے جو کچھ لکھا ہو کل کی ترقی کے معیار پر وہ کامل اور بے نقص کب ٹھہرینگے، تاہم کسی مصنف پر متعصبانہ خردہ گیری، اوکی نہین بلکہ اپنے نقص کی غیر محمود نمایش ہے، اب ہم سلسلہ وار ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات کی تنقید کرنی چاہتے ہین

پہلا اعتراض | یعنی یہ کہ مولنا نے اپنے عہد تک کے تمام معلومات کو جو نقادانِ یورپ نے فراہم کیا ہی، ان کو سمیٹ نہین لیا ہی،

خیام کے متعلق علمائے یورپ کی تحقیقات کا سب سے بڑا مجموعہ، نہ صرف ڈاکٹر صاحب بلکہ علامہ قزوینی اور پروفیسر براؤن کے نزدیک، روسی مستشرق ژدکوفسکی کا مضمون ہی، اس مضمون کی اصلیت یہ ہی کہ بارن ڈیکٹر جو پیٹرسبرگ یونیورسٹی مین عربی پروفیسر تھے اُن کے ایک جشنِ تبریک مین اُن کے گیارہ شاگردون نے عربی، عبرانی، فارسی، ترکی زبانون کے متعلق متفرق مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا ہی جسکا عربی نام المظفریہ ہے، کہ ڈکٹر کا ترجمہ عربی مین مظفر ہے، اس مجموعہ کا آخری مضمون وہی ژدکوفسکی کا مقالۂ عمر خیام ہی، اس مین اس نے خیام کے سوانح کے متعلق قدیم ترین ماخذ سے لیکر سنہ ۔۔۔ تک کے ماخذون کو بہ ترتیب زمانی یکجا کر دیا ہی، یہ مجموعہ ۱۸۹۷ء مین شایع ہوا اور ۱۸۹۸ء مین ڈاکٹر راس نے اسکا انگریزی مین ترجمہ کیا، یہی مایۂ ناز ذخیرۂ علمی ہی جس تک مولانا کی دسترس ہو سکی یہ نہ پہنچ سکی ڈاکٹر صاحب کہتے ہین

"خیام کے متعلق پروفیسر ژدکوفسکی کا وہ فاضلانہ مضمون جو انھون نے ۱۸۹۷ء مین روسی زبان مین لکھا تھا اور جس کا ترجمہ انگریزی مین ڈاکٹر راس نے ۱۸۹۸ء مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ مین شایع کیا تھا، اوسکا علم مولنا کو ضرور تھا کیونکہ انھون نے خود خیام کے تذکرے کے آخر مین اس مضمون کا اور اس کے انگریزی ترجمے کا ذکر کیا ہے، لیکن شاید وہ اتنی زحمت گوارا نہین کر سکے کہ وہ اسکو منگوا کر ایک نظر دیکھ لیتے ورنہ اتنی بڑی فروگذاشت ان سے سرزد نہ ہوتی،"

عرض ہو کہ مولنا نے ڈاکٹر صاحب کے علی الرغم "یہ زحمت گوارا کی"، اور یہ انگریزی ترجمہ نہین بلکہ مظفریہ کا اصل روسی نسخہ انھون نے منگوا کر اس پر ایک نظر ڈال لی، چنانچہ انھین کا متروکہ نسخہ آج میرے سامنے ہی، چونکہ اس مضمون مین تمام مواد کو اصل فارسی اور عربی زبان و خط مین بعینہ لکھدیا ہی اس لیے اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے نفس روسی زبان جاننے کی ضرورت نہین، اور یہ "سب سے بڑی فروگذاشت" یعنی ژدکوفسکی کے چند پیش کردہ ماخذون کو استعمال نہ کرنا عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ وہ مصنف کی سمجھی ہوئی فروگذاشت ہی،

ڈاکٹر صاحب کہتے ہین:۔

"مولانا شبلی نے خیام کے ذخیرۂ حالات مین سے جو اونکو بغیر کسی کاوش اور تلاش کے مہیا مل سکتا تھا نصف کے قریب بالکل چھوڑ دیا ہے"

مین ڈاکٹر صاحب کو تحدی کرتا ہون، کہ مولنا شبلی کے "رقم زدہ" "ذخیرۂ حالات" کی یہ نصف کی کمی پوری کر دین تو دنیا انکی تحقیق و وسعت نظری کی داد دیگی، مگر حالات ہون، قیاسات و تاویلات و مباحث نہین،

اب ہم بتانا چاہتے ہین کہ ڈاکٹر صاحب کے خیال مین خیام کے ذخیرۂ حالات مین نصف کی کمی کی میزان کیون کر بیٹھائی ہے، اور یہ ہم نے انکے اعتراض کا دوسرا نمبر قرار دیا ہی،

دوسرا اعتراض | یہ دوسرا اعتراض عجیب مضحکہ انگیز ہی، بات یہ ہی کہ ژدکوفسکی نے جن ماخذونکو ذکر کیا ہی، جن مین مستقلاً یا اشارۃً بھی خیام کا نام آگیا ہی، وہ شاید تعداد مین دس ہین، (۱) دولت شاہ سمرقندی کا تذکرہ، (۲) نزہتالارواح شہرزوری (۳) کامل ابن اثیر، (۴) تاریخ الحکما، قفطی، (۵) چہار مقالہ نظامی عروضی، ڈاکٹر صاحب اعتراف کرتے ہین کہ "ان پانچ کتابون مین سے جو حالات اخذ کئے جا سکتے تھے، وہ بیشک انھون نے اخذ کرلیے ہین، لیکن ان کے علاوہ ان پانچ ماخذون کے جنکا استعمال کیا ہی اور جنکا اوپر ذکر دیا گیا ہی، پانچ کتابین اور ہین جن مین خیام کے حالات ملتے ہین، اور جو باعتبار ثقاہت کے کچھ کم قابل وقعت نہین ہین" ان مین سے ایک (۱) مرصاد العباد نجم الدین ابوبکر رازی، (۲) آثار البلاد قزوینی (۳) جامع التواریخ (۴) فردوس التواریخ (۵) تاریخ الفی ہیں مولنا نے انکو چھوڑ دیا ہے

اب حساب لگا لیجیے، کہ مولانا نے پہلے پانچ ماخذون مین جو حالات تھے اونکو لے لیا ہے، لیکن پچھلے پانچ ماخذون کی باتین نہین لی ہین، حاصل یہ نکلا کہ مولانا نے خیام کے ذخیرۂ حالات مین سے نصف باتین لکھین، اور نصف چھوڑ دین، لیکن شاید ابھی ڈاکٹر صاحب کو کسی مستقل تصنیف کا تجربہ نہین ہی، اس لیے مصنف کے سلیقۂ انتخاب کی وہ وجدانی اور ذاتی تجربہ کے طور پر داد نہین دیسکتے، ڈاکٹر صاحب نے ان پانچ متروکہ کتابون کے مطالب کو اپنے مضمون مین اس لیے پیش کرنا نہین چاہا کہ، ان کو طوالت کا خوف تھا، لیکن بحمد اللہ کہ ہم کو طوالت کا خوف نہین اس لیے ہم انکو پیش کرنا چاہتے ہین،

(۱) مرصاد العباد مین عمر خیام کے "ذخیرۂ حالات" کے یہ واقعات ہین کہ فلاسفہ و حکما ر باوجود دعوے ہمہ دانی روح اور جسم کے باہمی تعلق کے اظہار مین بالآخر حیران ہین، تا بکمال فضلا ر کہ بنزد ایشان بفضل و حکمت و کیاست و معرفت مشہور است و آن عمر خیام است از غایت حیرت و ضلالت این بیت می باید گفت،

در دائرۂ کامدن و رفتن ماست — انرا نہ بدایت نہ نہایت پیداست

کس می نزند دمے درین عالم راست — کاین آمدن از کجا و رفتن بکجاست

اس اقتباس سے خیام کے "ذخیرۂ حالات" مین کیا اضافہ ہوا، یہ ہے کہ ساتوین صدی کا ایک مصنف بھی اوسکو زمرۂ فضلا مین شمار کرتا تھا؛ اگر یہ سوانح و حالات کے اجزا ہین تو پھر کسی ہیرو کی سوانح عمری کبھی کوئی لکھ ہی نہین سکتا، اب دوسرا چھوٹا ہوا ماخذ لیجیے،

(۲) آثار البلاد قزوینی مین خیام کے متعلق تین واقعے ہین، ایک یہ کہ سلطان ملکشاہ نے اسکو رصد خانہ کا مہتمم بنایا تھا، مولانا اسکو ابن اثیر کے حوالہ سے لکھ چکے ہین، دوسرا واقعہ جو چھوٹا ہے وہ یہ کہ خیام ایک سرائے مین ٹھہرا تھا، وہان لوگ پرندون کی کثرت اور انکی وجہ سے نجاست کے ہونے کے شاکی تھے، خیام نے مٹی کا ایک پرندہ بنا کر ایک چھت پر رکھدیا تو پرندون کی آمد بالکل جاتی رہی، بیشک یہ شعبدہ مولانا نے حکیم خیام کے حال مین نہین لکھا، تیسرا واقعہ یہ رہ گیا ہے کہ ایک فقیہہ صاحب تھے جو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے جا کر خیام سے فلسفہ کا سبق لیا کرتے تھے، پھر جب مسترشدین کا حلقہ ان کے پاس جمع ہو جاتا تھا، تو وہ خیام کی

ہجو ان سے کرتے تھے، خیام نے یہ دیکھکر اس کے توڑ کی یہ تدبیر کی کہ اس نے ایک دن بہت سے ڈھول اور باجے والون کو بلوا کر اپنے گھر مین چھپا دیا، فقیہہ صاحب حسب معمول جب صبح اندھیرے مین سبق پڑھنے آئے تو اس نے ڈھول باجے والون کو اشارہ کیا، وہ خوب زور زور سے بجانے لگے، لوگ سنکر چارون طرف سے ٹوٹ پڑے، اس وقت حکیم خیام نے نکلکر لوگون سے کہا کہ دیکھو یہ نیشاپور کے تمہارے عالم صاحب ہین، جو روز مجھ سے چھپکر پڑھتے ہین، اور تم سے جا کر ہم میری برائی کرتے ہین، اگر مین ایسا ہی ہون تو مجھسے یہ پڑھنے کیون آتے ہین،

مولانا نے خیام کی اس طبل نوازی کے واقعہ کو بیشک نہین لکھا کہ اول تو یہ خیام کے رتبہ سے فروتر بات تھی، دوسرے یہ کہ ان دونون واقعون کی صحت مین ان کو شک تھا، کیونکہ خود قزوینی نے ان واقعات کو حکی کہکر بیان کیا ہی یعنی یہ قصہ کہا جاتا ہے، جس سے روایت کا ضعف ظاہر ہے،

(۳) جامع التواریخ سے خیام کا جو واقعہ مولانا کو مل سکتا تھا اور جسکو بقول ڈاکٹر صاحب مولانا نے چھوڑ دیا، وہ وہی ہی جس کو شعر العجم مین جگہ دینے پر ڈاکٹر صاحب اس قدر چراغ پا ہین یعنی نظام الملک، حسن بن صباح اور عمر خیام کی ہمنشینی اور ہم مکتبی اور معاہدۂ باہمی کی داستان، یہ دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنون را، کی مثل صادق آئی، مولانا نے اسکو لکھا تو اعتراض ہی کہ اس بعید از قیاس قصہ کو شعر العجم مین کیون جگہ دیگئی، اور پھر اعتراض ہے کہ جامع التواریخ والا واقعہ کیون نقل نہین کیا، مین سمجھتا ہون، ڈاکٹر صاحب کو ادھر توجہ تو ہوئی کہ مولانا نے جامع التواریخ نام ایک ماخذ کو چھوڑ دیا، لیکن یہ مطالعہ نہ کر سکے کہ جامع التواریخ مین لکھا کیا ہی؛ حالانکہ علامہ قزوینی کے حواشی چہار مقالہ ان کے پیش نظر تھے، اور وہی ان کے معلومات کا تنہا ماخذ ہی،

(۴) فردوس التواریخ مصنفہ مولانا خسرو ابرکوہی (۸۰۸ھ) سے مولانا نے خیام کا حال نہین لیا، فردوس التواریخ مین خیام کا حال یہ ہی کہ وہ بڑا عالم فاضل تھا، اسکی ایک رباعی یہ ہی، اس کے بعد یہ ہے کہ ایک شخص نے خیام سے ۵۰۸ھ مین حماسہ کے ایک شعر کا مطلب پوچھا تھا اور اس شخص نے بیان کر دیا تھا، بعد ازین خیام کی وفات کا قصہ ہے جسکو مولانا اور حوالون سے لکھ چکے ہین، بس خاتمہ؛ متروکہ واقعہ صرف اتنا ہا کہ خیام نے ایک شخص

کا امتحان لیا تھا،

(۵) تاریخ الفی جو اکبر کے عہد مین ہندوستان مین لکھی گئی، اس مین بھی خیام کا حال ہے، اور مولانا نے اسکو نہین لکھا، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے ماخذ وحید، حواشی چہار مقالہ مین یہ نہین دیکھ لیا کہ تاریخ الفی مین خیام کے متعلق کیا ہی؟ وہ تمام تر شہرزوری کا ترجمہ ہی، جسکو مصنف نے خود ظاہر کر دیا ہی اور اوپر ہی ڈاکٹر صاحب تسلیم کر چکے ہین کہ مولانا نے شہرزوری کو پورا لے لیا ہی، تاریخ الفی مین جو بعض دوسرے تذکرون مین بھی ہی اتنا اضافہ ہے کہ، لوگ کہتے ہین کہ خیام تناسخ کا قائل تھا، چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہی نیشاپور مین ایک پرانے مدرسہ کی مرمت ہو رہی تھی، چند گدھون پر اینٹین لدی تھین، اور گدھے تو انہین لیکر عمارت مذکور مین چلے گیے، مگر ایک گدھا کسی طرح نہ گیا، اس پر خیام نے مسکرا کر ایک فحش قسم کی رباعی پڑھی، اور کہا کہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ گدھا پہلے جنم مین اس مدرسہ کوئی کا ملّا تھا،

مولانا نے یہ فحش رباعی نہین لکھی ہی، اور نہ یہ بے سند قصہ درج کیا ہی، جو زیادہ سے زیادہ ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کو یارون نے گڑھکر سنجیدہ خیام کے نام تھوپ دیا ہے،

یہ ہے حقیقت اس نصف مواد کی جسکو شعر العجم کے مصنف نے عمر خیام کے حال مین چھوڑ دیا ہے،

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو!

اگر یہی مواد کا چھوڑنا ہی تو پانچ ہی کتابین کیون مین کہتا ہون مولانا نے اور بہت سے ماخذون کو چھوڑ دیا ہے، جن مین عمر خیام کا نام ہی یا قصہ ہے، مثلاً خاقانی کا شعر، نیز، تاریخ گزیدہ، حبیب السیر، روضۃ الصفا، وصایائے نظام الملک، تذکرۂ مخزن الغرائب وغیرہ، لیکن ان مین کیا ہی؟ البتہ ہمارے دوست نے خیام کے سوانح کے ایک قدیم تر ماخذ کا نام چھوڑ دیا ہی، شاید اس لیے کہ ژوکوفسکی نے اُسکا نام نہین لیا یا اس لیے کہ قزوینی نے ان صفحات مین اوسکا ذکر نہین کیا ہی، جنکو سامنے رکھکر ہمارے دوست نے یہ مضمون لکھا ہے اور وہ عماد الدین کاتب کی خریدۃ العصر ہے، جو ۵۷۲ھ مین تالیف ہوئی، اس مین شعرائے خراسان کے ضمن مین

خیام کا حال ہے، اسکا قلمی نسخہ کتابخانۂ لیڈن مین ہی اور ڈوزی نے اپنی فہرست مین اسکا ذکر کیا ہی۔ (حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۹) مگر ظاہر ہی کہ قلمی نسخہ جب یورپ مین بیٹھکر علامہ قزوینی کو نہین ملا، تو غریب شبلی کو ہندوستان مین کیا ملتا،

تیسرا اعتراض کہ مولانا نے قصۂ نظام الملک، حسن بن صباح اور عمر خیام کی ہمنشینی، اور ہم درسی، اور باہمی معاہدہ کی داستان کہ جو بڑے عہدہ پر پہنچے وہ اپنے دوسرے رفقاء کی خبر گیری کرے، بالآخر نظام الملک کا وزارت تک پہنچنا، اور حسن بن صباح اور خیام کا اس کے پاس آنا، خیام کا صرف گوشہ نشینی کے وظیفہ پر قناعت کرنا اور حسن بن صباح کی شرارت نفس کا ظاہر ہونا وغیرہ کو شعر العجم مین کیون جگہ دی ہی، جب کہ یورپ کے نقادون نے اس کو رد کر دیا ہے اور اس کو درایۃً قابل قبول نہین سمجھا ہی، ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ مین پہلے علامہ محمد عبد الوہاب قزوینی کی عبارت (حواشی چہار مقالہ) کی تلخیص ایسے الفاظ مین پیش کی ہی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ، اس داستان کے غلط ہونے کے متعلق وہ بعض ناقدین یورپ کے پوری طرح ہمداستان ہین، حالانکہ ایسا نہین ہے، علامہ قزوینی نے صرف انکی رائے کی ترجمانی کا فرض ادا کیا ہی، چنانچہ اُن کی اصل عبارت یہ ہی،

"بارے حکایت مزبور یعنی داستان رفاقت عمر خیام و حسن صباح و نظام الملک در اوان طفولیت معروف و مشہور است و در غالب کتب تاریخ از قبیل جامع التواریخ و تاریخ گزیدہ، و روضۃ الصفا و حبیب السیر و تذکرۂ دولتشاہ و کتاب مجعول وصایائے نظام الملک و ہمچنین در مقدمۂ ہر طبعے از رباعیات عمر خیام بفارسی و انگلیسی و غیرہا مسطور و حاجت بتکرار آن درین موضع نیست ولے باید این نکتہ را ناگفتہ نگذاریم کہ بعقیدۂ غالب مستشرقین اروپا این حکایت اصلے ندارد و بلکہ مجعول و افسانہ است، زیرا کہ تولد نظام الملک در ۴۰۸ھ است و تولد عمر خیام و حسن صباح اگرچہ معلوم نیست ولے وفات عمر خیام علی المشہور در ۵۱۷ھ و وفات حسن در ۵۱۸ھ است و اگر عمر خیام و حسن صباح ہم سن یا متقارب السن با نظام الملک بودند چنانچہ مقتضائے این حکایت است بایستے ہر یک از حسن صباح و عمر خیام بیشتر از صد سال عمر کردہ باشند این اگرچہ عادۃً محال نیست ولے مستبعد است باز اگر ہر دو یکے ازین دو نفر یعنی حسن صباح و عمر خیام موضوع این حکایت صاحب عمر صد و بست سالہ باشند چندان مستبعد نداشت ولی ہیچ حکایتے کہ مستلزم این باشد کہ دو شخص معروف تاریخی کہ ہیچ دلیلے از خارج بر بلوغ ایشان بعمر فوق العادہ نداریم ہر دو

قریب بصد وبست سال عمر کردہ باشند بعید الوقوع وضعیف الاحتمال است، واللہ اعلم بالصواب" (صفحہ ۲۱۶ و ۲۱۷)

غور کرو، کہان ڈاکٹر صاحب کی قطعیت اور کہان علامہ قزوینی کی نقادانِ یورپ کی ترجمانی، اور اپنی محتاط ذاتی رائے اور واللہ اعلم کہکر اپنے اشتباہ کا اظہار، تاہم علامۂ ممدوح کا یہ حساب سمجھ مین نہین آتا کہ ان دونون کو نظام الملک کا ہمسن مانین تو انکی ۱۲۰ برس کی عمر ماننی پڑیگی، ۴۰۸ھ سے جو نظام الملک کی ولادت کا سال ہے ۵۱۷ھ تک ۱۱۰ ہی برس تو ہوتے ہین،

ہمارے فاضل دوست نے اس موقع پر نہ صرف علامۂ موصوف کی پیش کردہ دلیل ہی پر اکتفا کی ہے بلکہ واقعہ کی تحقیق کے لیے کچھ اپنے ذاتی اجتہادات یا کہین اور جگہ سے لیکر بعض باتون کا بھی اضافہ کیا ہے، مثلاً یہ کہ نظامی عروضی نے لکھا ہے کہ ۵۰۸ھ مین عمر خیام بادشاہ کے شکار کے لیے علم نجوم سے وقت مقرر کرتا ہے اور جاڑون مین بادشاہ کے ساتھ شکار مین جاتا ہے، سو برس کا "بڈھا پھوس" اعمالِ نجوم کے لائق اور جاڑون مین شکار کے میدان مین جانے کی صلاحیت کہان رکھ سکتا ہے،

یہ تو خیام اور نظام الملک کے ہم سن ہونے کی صورت مین اعتراض وارد کیا ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ نظام الملک اپنے دوسرے ہم مکتبون سے عمر مین بڑا تھا، تو یہ اسکی عمر کی بڑائی کم از کم بقدر تیس برس کے ماننی ہوگی، اگر خیام اور حسن صباح نے اسی اسی اور پچاسی پچاسی برس کی بھی عمر پائی تو ظاہر ہے کہ انکی ولادت ۴۳۰ھ کے قریب ہونی چاہئے، اس صورت مین نظام الملک ان دونون سے قریباً ستائیس برس کے بڑا ٹھہرا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چالیس برس کا سن رسیدہ آدمی بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کے بچون کا ہم سبق ہو جب کہ دوسری طرف ہم کو معلوم ہے کہ نظام الملک نے نوجوانی ہی مین ابو علی شادان گورنر بلخ کے ہان بحیثیت کاتب کے ملازمت اختیار کرلی تھی،

ہمارے محتاط محقق نے ابو علی شادان کے ہان "نوجوانی ہی" مین بحیثیت کاتب (میر منشی) ملازمت کر لینے کا واقعہ ابن خلکان کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر کیا وہ ابن خلکان کا کوئی ایسا نسخہ دکھائین گے

جس مین نوجوانی کی تصریح ہو؟ اثباتِ دعوی کے لیے الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کرنا یہ کونسا "ریسرچ" کرنا ہے، ابن خلکان کی عبارت یہ ہے،

واشتغل بالحدیث و الفقہ ثم	حدیث وفقہ کی نظام الملک نے تحصیل کی، پھر علی بن
اتصل بخدمۃ علی بن شادان	شادان کی خدمت مین پہنچا،

اس مین عمر کی تصریح کی طرف اشارہ بھی نہین، اور بعینہ یہی عبارت کامل ابن اثیر مین ہے،

بہرحال ان تینون کی ہمدرسی کی داستان کے تسلیم کر لینے پر یہ شکوک لازم آتے ہین،

(۱) ایک ہی زمانہ مین دو شخص (ابن صباح اور خیام) ایسے ماننے پڑینگے جنکی عمر ۱۱۰ برس کی ہو اور یہ بعید از عقل ہے،

(۲) ۵۰۸ھ مین خیام نے اعمال نجومی کا حساب کیا اور بادشاہ کے ساتھ شکارگاہ مین جاڑون مین گیا، نظام الملک کے ہم سن ہونے کی صورت مین اس وقت خیام کی عمر سو برس کی ہوگی اور سو برس کا بڈھا نہ تو یہ دماغی اور نہ یہ جسمانی محنت اٹھا سکتا ہے،

(۳) اگر ہم سنی کو چھوڑکر، ابن صباح اور خیام کو ان دونون کی عمرین ۸۰ یا پچاسی مانکر انکی ۵۱۸ھ اور ۵۱۷ھ تاریخِ وفات سے حساب لگائین تو لازم آتا ہے کہ انکی پیدائش کے وقت نظام الملک قریباً ۲۰ برس کا ہوگا، تو کیا ممکن ہے کہ چالیس برس کا سن رسیدہ، بارہ بارہ، تیرہ تیرہ برس کے بچون کا ہم سبق ہو،

یہ ہین وہ استحالات جو ان تینون کی ہم سنی و ہم سبقی کی داستان صحیح ماننے پر لازم آتے ہین، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک زمانہ مین دو مشہور آدمیون کا ایک سو دس برس کی عمر پانا محلِ حیرت کیا ہے، جب ہم اسی زمانہ مین اس عمر کے متعدد مشاہیر کو پاتے ہین، دولت سلجوقیہ کے بانی سلجوق کی نسبت پڑھتے ہین کہ وہ ۱۰۷ برس کا ہوکر مرا، اور اس عمر تک معرکۂ دکار وزار کا مرد بنا رہا[1]، ۴۵۰ھ مین قاضی ابو الطیب طاہر طبری نے ۱۰۲ برس کی عمر مین وفات پائی اور ہمارے دوست کی مستند کتاب زبدۃ النصرہ مین انکے متعلق یہ لکھا ہے

[1] ابو الفدا، ذکر ابتدائے سلجوقیہ،

وکان صحیح السمع والبصر سلیم الاعضاء یناظر و یفتی و یستدرک علی الفقہاء۔

پھر ہمارے مؤرخ دوست حسن و خیام کو نوشیروان خالد کا ہم مکتب بتاتے ہین، اگر انکا سال ولادت ۴۴۰ھ ہو تو ۵۲۹ھ مین جب وہ ۹۰ کا بڈھا پھوس تھا بغداد کی وزارت کا عہدہ کیونکر وہ انجام دیتا تھا،

اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عمر خیام کا سال وفات کیا ہے، مولانا نے مجمع الفصحا کے حوالہ سے ۵۱۷ھ نقل کیا ہے، اور عام علمائے یورپ بھی یہی سال وفات لکھتے ہین، مگر ہمارے فاضل دوست کے تبحر تحقیق سے یہ امر فروتر ہے کہ وہ بغیر کسی معتبر سند کے اسکو تسلیم کر کے اس پر اپنے قیاسات کی عمارت قائم کر دین، خیام کے حالات کے سلسلہ مین جو سنین ملتے ہین وہ حسب ذیل ہین، ۴۶۷ھ مین وہ رصد ملک شاہی کا مہتمم نظر آتا ہے، ۵۰۰ھ مین ابوالحسن بیہقی اس سے ملتے ہین، ۵۰۶ھ بلخ مین نظامی عروضی کی اس سے ملاقات ہوتی ہے، ۵۰۸ھ مرو مین وہ بادشاہ کے شکار کے لیے زائچہ تیار کرتا ہے، ۵۳۰ھ مین نظامی عروضی جب نیشاپور جاتا ہے تو اس کی وفات پر چند سال گذرتے ہوتے ہین،

موجودہ ماخذون سے اسکی زندگی کے یہی سنین معلوم ہوتے ہین، پھر ہمارے محقق دوست کے پاس کونسی نئی سند اوس کے سال وفات کی تعیین کی ہے، مگر اقوال علمائے یورپ! اسی لیے علامہ قزوینی نے بطور تعجب لکھا

"... وفات عمر خیام را غالب مصنفین اروپا در ۵۱۷ھ می نویسند (؟) و بروکلمن در تاریخ علوم عرب در ۵۱۵ھ و سند موثقی برای ہیچ یک ازین دو تاریخ بنظر این ضعیف نرسیدہ است، در ہر صورت از چہار مقالہ واضح می شود کہ وفات او مابین ۵۰۸ھ - ۵۳۰ھ بودہ است (حواشی چہار مقالہ)[1]

اب غور کیجیے کہ خیام کے "ہموطن" علامہ قزوینی تو یہ لکھتے ہین مگر ڈاکٹر صاحب ۵۱۷ھ کو خیام کی ایک مسلّم تاریخ وفات تسلیم کیے بیٹھے ہین،

تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس داستان کا شان نزول ہمدرسی کی بنیاد پر قائم ہے ہم سنی کے

[1] حواشی چہار مقالہ مین اس موقع پر دو جگہ ۵۳۰ھ کے بجائے ۵۳۲ھ لکھا ہے؟ کیا یورپ کے مطبوعات اور تصنیفات مین بھی سنین کی غلطیان ہو جاتی ہین

دعوی پر نہین، گو وصایا کی جعلی کتاب مین ہمدرسی کے ساتھ ہم سنی کا لفظ بھی لکھا ہے[1]، مگر زیادہ تر کتابون مین صرف ہمدرسی ہی کا تذکرہ ہے، پھر سوال یہ ہے کہ ہمدرسی کی صورت مین یہ کیون سمجھا جائے کہ ان تینون کی ہمدرسی الف بے مین تھی، کتاب مجہول وصایا تک مین تو یہ تصریح ہے کہ نظام الملک طوس سے پڑھکر بعد کو نیشاپور کی درسگاہ مین آیا اور اس کے بعد عمر خیام اور حسن صباح وہان آئے اور وہان حدیث و قرآن کے اسباق مین انکی باہم شرکت ہوئی، ایسی حالت مین اگر ہم نظام الملک اور ان دونون مین ۲۰ برس کی بھی چھوٹائی بڑائی مان لین تو یہ کوئی بعید از عقل بات نہین معلوم ہوتی کہ ایک تیس سالہ جوان جو کچھ عمر گذرنے پر آیا ہو وہ اٹھارہ بیس برس کے نوجوانون کے ساتھ شریک درس ہو سکتا ہو،

اس تقدیر پر ہم عمر خیام اور حسن صباح کی ولادت کا سال تقریباً ۴۳۰ھ کے لگ بھگ تسلیم کرتے ہین، اگر خیام کا سال وفات ۵۱۷ھ بھی ہو تو اُنکی عمر کا اندازہ ۸۷ برس ہوگا، اور حسن صباح کا ۹۰ برس، فرمایئے یہ تو بعید از عادت نہین ہے،

ہم اپنے دوست کے اس فلسفۂ حساب کے سمجھنے سے علانیہ عجز کا اعتراف کرتے ہین کہ اگر یہ مانا جائے کہ نظام الملک اپنے دوسرے ہم مکتبون سے بڑا تھا تو ہم کو اسکی عمر کی بڑائی بقدر تیس کے ماننی ہوگی، اوس لزوم کی وجہ سمجھ مین نہ آئی، اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اس سے کم فرض کرنے مین کیا استحالۂ عقلی یا اشکال عادی لازم آتا ہے، اور یہ کہ حسن صباح اور عمر خیام کی عمر اسّی اسّی اور پچاسی پچاسی برس کی کیون تسلیم کریجیے اور اس سے چند سال زیادہ کیون نہین مان سکتے؟

حسن صباح کا الپ ارسلان کے دربار مین آنا، اور اسکا حاجب کے عہدہ پر نصب ہونا (بحوالۂ ابن عطاش) تاریخ گزیدہ مین مرقوم ہے[2] (الپ ارسلان کا عہد حکومت ۴۵۵ھ سے ۴۶۵ھ تک ہے) اس وقت اسکی عمر ہمارے حساب سے پینتیس اور پینتالیس کے درمیان ہوگی، اسی طرح عمر خیام جب ۴۶۷ھ مین رصد ملک شاہی کا

[1] ضمیمۂ سیاست نامہ مطبوعۂ پیرس، منشورۂ چارلس شیفر، [2] ذکر سلطنت الپ ارسلان و ذکر اسماعیلیان،

اہتمام کر رہا ہوگا، اس کی عمر اس تخمینہ سے ۴۰ برس کی ہوگی، جو اس عظیم الشان خدمت کے استحقاق کے لیے ہر طرح قرین قیاس ہے،

خیام کے سلسلۂ حالات مین شہرزوری کے بیان کے مطابق ہم اوسکو بخارا مین خاقان شمس الملوک کے دربار مین پاتے ہین، یہ غالباً ایلک خانی خانوادۂ حکومت کا خاقان تکین فرمانروائے ماوراء النہر و ترکستان ہے، جسکا لقب شمس الملک تھا، وہ ۴۶۰ھ مین تخت نشین ہوا، شمس الملک کے سلجوقی سلاطین سے سسرالی رشتے بھی تھے، تاہم الپ ارسلان نے اس پر ۴۶۵ھ مین چڑھائی کی، اور اتفاقیہ جان دی،

شمس الملک کی وفات کی تاریخ ہنوز مجھ کو نہین ملی ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا دوسرا جانشین احمد خان ملکشاہ کا معاصر تھا، اور ملکشاہ نے اس کو گرفتار کیا، اور ۴۸۲ھ مین اوس کو آزاد کر دیا۔[1]

بہر حال بخارا مین شمس الملک کے دربار مین خیام کا جانا، اور شمس الملک کا اپنے تخت کے برابر بٹھانا، ۴۶۰ھ سے جو اس کی تخت نشینی کی تاریخ ہے اور ۴۶۷ھ جو خیام کے نیشاپور مین تعمیر رصد کا زمانہ ہے، ان دونون کے بیچ کی کوئی تاریخ ہوگی، اس وقت ہمارے تخمینہ سے اوسکی عمر چالیس بیتالیس کی ہوگی، جو اسکی اس شہرت کمال کے لیے کہ ایک فرمانروا اس کو اپنے تخت پر جگہ دے، مناسب عمر ہو سکتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب کے حساب (۴۳۹ھ) سے اس وقت اسکی عمر پچیس تیس کی ہونی چاہیے،

عمر خیام کی تصنیفات مین سے اس کا رسالہ فی براہین الجبر والمقابلہ پیرس مین ۱۸۵۱ء مین (غدر سے ۶ سال پہلے) چھپ چکا ہے، اور اس وقت وہ میرے سامنے ہے، اس کے دیباچہ مین خیام نے علم اور خصوصاً فلسفہ کی ناقدری کا سخت ماتم کیا ہے، اور بالآخر قاضی القضاۃ ابو طاہر کی مجلس مین پہنچنے پر فخر کیا ہے اور شکر کیا ہے، اور اسی کے نام پر یہ کتاب لکھی ہے، قاضی ابو طاہر کا پتہ مجھے اب تک نہین چلا ہے،[2] تاہم دیباچہ کے ان

[1] ابن اثیر واقعات ۴۸۲ھ، [2] ابو طاہر قمی اور ابو طاہر خاتونی دو شخص اس عہد مین ہین، مگر دونون صدر اور وزیر ہین، قاضی القضاۃ نہین،

مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً سلجوقی دربار تک پہنچنے سے پہلے یہ کتاب لکھی ہے، ورنہ سلجوقی سلاطین خصوصاً ملکشاہ اور نظام الملک کے عہد مین اور اسکے بعد سنجر کے زمانہ مین بھی جب وہ ایک خاص اعزاز حاصل کر چکا تھا، ایسے سلاطین زمانہ اور وزرائے عہد کو چھوڑ کر ایک گمنام قاضی القضاۃ کے نام اپنی ایک بلند رتبہ تصنیف کو نسبت نہ دیتا، علم کی یہ کیسی بدبختی ہے کہ خیام نے اپنے اس رسالہ کے آخر مین خود اپنی اس تصنیف کی تکمیل کی تاریخ لکھی ہے، اس مین ۲۲ ربیع الاول تو پڑھا جاتا ہے، لیکن جس نسخہ سے یہ کتاب چھپی ہے اس مین نساخ نے سنہ ایسے طلسمی خط مین لکھا ہے کہ وہ پڑھا نہین جاتا، موسیو دپکے WEOPCKE جنھون نے اس نسخہ کا ترجمہ کیا اور چھاپا ہے، انھون نے بھی یونہی اسکو رہنے دیا ہے، تاہم اس کتاب کی تالیف کے ۵ برس کے بعد خیام نے چند صفحے ابو الجود محمد بن بن لیث ہندسی کے جواب مین اور اضافہ کیے ہین، اس سے اور بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس کے عہد آخر کی تصنیف نہین، الپ ارسلان اور ملکشاہ کے عہد سے پہلے ہم اس کتاب کی تصنیف کیلئے جسپر بقول اسکے اُسنے لمبا سال غور کیا ہے، اسکی عمر تیس برس کی ہوگی،

ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر موئسما کے حوالہ سے ایک دلچسپ حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ اصل مین خیام و حسن کا ہم مکتب انوشیروان خالد تھا، جو نظام الملک کے جانشینون مین سے ایک تھا، اور جسکو ڈاکٹر صاحب قابل قبول سمجھتے ہین، کیونکہ خود انوشیروان نے ڈاکٹر صاحب کے بقول اسکو واضح طور سے ذکر کیا ہے، لیکن انھون نے اس واضح ذکر کی عبارت نقل نہین کی ہے اور وہ یہ ہے:

فنابت النوائب وظہرت العجائب، وفارق	تو مصیبتین پیش آئین، اور عجیب باتین ظاہر ہوئین، اور جمہور مسلمانونکو
الجمہور من بیننا جماعۃ نشأوا علی طباعنا	چھوڑ کر ایک گروہ الگ ہو گیا، جنھون نے ہماری ہی طبیعتون پر نشو و نما
وکانوا الصاعنا، وکانوا معنا فی المکتب	پائی تھی، اور ہمارے ہی پیمانے مین تھے، اور ہمارے ساتھ مکتب مین تعلیم
واخذوا حظا وافرا من الفقہ والادب	اور فقہ و ادب کا بڑا حصہ انھون نے حاصل کیا تھا، انھین مین رے
وکان منھم رجل من اھل الری وسح	کا ایک آدمی تھا جس نے دنیا کی سیاحت کی تھی، اور اس کا پیشہ
فی العالم وکانت صناعتہ الکتابۃ	سرکاری دفترونکی منشی گری تھی پھر اسکا حال چھپ گیا، اور کمزور
فخفی امرہ وقام واقام من الفتنۃ کل قیام الخ	ہوا اور فتنہ کی ہر قیامت اس نے کھڑی کی تھی۔

یہ زبدۃ النصرہ کی عبارت ہے، زبدۃ النصرہ کتاب کی اصلیت یہ ہے کہ انوشیروان خالد نے فارسی زبان مین
سلجوقیون کی مختصر تاریخ لکھی ہے اور وہ خود انکا معاصر اور درباری تھا، اس مختصر فارسی تاریخ کا نام جیسا کہ چلپی نے تصریح کی ہے
"فتور زمان الصدور، و صدور زمان الفتور" ہے، اس کے بعد عماد الدین کاتب نے نصرۃ الفترہ و عصرۃ الفطرہ کے
نام سے عربی مین انشاپردازانہ، لفاظانہ، قافیون کے جوڑ توڑ مین سلجوقیون کی تاریخ لکھی، اور اس مین انوشیروان
کی اس کتاب کو اسی انداز مین گھٹا بڑھا کر اپنی کتاب مین داخل کرلیا، اور اسی کے حوالے اور نام سے اوسکی
فارسی عبارتون کو عربی مین نقل کیا، اس کے بعد ابوالفتح بنداری نے نصرۃ الفترہ کی لفاظی اور حشو و زوائد کو کچھ کم کر کے
اسکا نام زبدۃ النصرہ اور عصرۃ الفطرہ رکھا، اس وقت انوشیروان کے نام سے یہی بنداری کی کتاب پیش کیجاتی
ہے، اور اس کے ایک لفظ "مکتب" پر جو اصل مین کیا تھا، اور کیا بنا، یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انوشیروان نے
خود تصریح کی ہے،

بہرحال اس کتاب مین یہ ہے کہ "ایک گروہ مسلمانون سے الگ ہو گیا، جو ہماری ہی طبیعت و سرشت کا
تھا، اور جو ہمارے ساتھ مکتب مین تھا اور ان مین سے ایک شخص تھا جو رَی کا رہنے والا تھا، اور جس نے دنیا
کی سیر کی تھی" لیکن اوّل تو لفظ "مکتب" مین بحث ہے، کہ اس کے کیا معنی ہین، عربی مین اس کے لفظی معنی لکھنے
کی جگہ کے ہین، لیکن اسکا اطلاق دو معنون پر ہوتا ہے ایک "دفتر" (موضع الکتاب) دوسرے ان معنون
مین جس مین اردو مین لفظ مکتب بولا جاتا ہے، (دیکھو لسان العرب) اب یہان کیا معنی مراد ہین پروفیسر براؤن صاحب
دوسرے معنی لیتے ہین، مگر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہم مکتب وہی بچے ہوتے ہین جو ہم قریہ، یا ہم محلہ ہون حالانکہ
حسن صباح رَی کا تھا اور انوشیروان نہین معلوم کہان کا تھا؟ لیکن اس کے تعلقات نیشاپور سے معلوم ہوتے
ہین، دوسرے یہ کہ انوشیروان کہتا ہے کہ ہمارے مکتب کے رفقا (بصیغۂ جمع) عام مسلمانون سے الگ ہو گئے
تو کیا یہ قیاس کیا جائے کہ کیا اس کے اکثر ہم مکتب فرقۂ باطنیہ مین ہو گئے تھے؟ قابل غور امر ہے، تیسرے
یہ کہ وہ کہتا ہے کہ ہم مکتب گروہ مین ایک رَی کا آدمی (رجل) تھا، آیا رجل کا اطلاق بچہ پر ہو سکتا ہے؟

اگر وہ مراد ہوتی تو ایک لڑکا کہنا چاہئے، پھر کہتا ہے "انھین مین ایک آدمی رَی کا تھا اور اس نے دنیا کی سیر کی تھی"
و ساح فی العالم کا کان پر عطف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکتب مین داخل ہونے سے پہلے سیاحت
کر چکا تھا، جو کسی طرح ایک مکتب نشین کے لیے خیال مین نہین آسکتا، اگر یہ مقصد ہوتا کہ مکتب چھوڑنے کے بعد
اس نے سیاحت کی تو فساح (پھر اس نے سیاحت کی) ہوتا مگر ایسا نہین ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ
انوشیروان نے ہم مکتب ہونے کا اظہار ان لوگون کی نسبت کیا ہے جو باطنی ہو گئے تھے، اور حسن صباح کے ساتھ شامل
ہو گئے تھے، اور "منھم" کی ضمیر صرف "مارق الجمہور" کی طرف راجع ہے، اور اسکی دلیل حسب ذیل ہے،

حسن صباح اور خیام کی طرح یہ معلوم ہے کہ انوشیروان نے ۵۳۲ھ مین وفات[1] پائی، اسکی ولادت
کا سال نہین معلوم، اوسکی کتاب کے عربی ترجمہ سے جو بصورت زبدۃ النصرہ[2] ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملکشاہ اور
نظام الملک کے عہد کا چشم دید گواہ نہین ہے، وہ سب سے پہلے اپنے وجود کا پتہ ۴۸۵ھ[3] مین صرف اس قدر دیتا ہے
کہ مین نے تاج الملک کو کئی ہزار کا عطیہ دیتے دیکھا[4]، اس کے بعد ۴۹۴ھ مین وہ مؤید الملک بن نظام الملک کے
ساتھ میدان جنگ مین ملتا ہے[5]، اس کے بعد مؤید الملک کے قتل سے غمگین[6] ہو کر ۴۹۵ھ مین حریری صاحب
مقامات کے ساتھ بصرہ مین گوشہ نشین نظر آتا ہے[7]، پھر سلطان محمد کی طلب پر وہ بغداد حاضر ہوتا ہے، ۴۹۹ھ
مین رفاقت سلطانی مین اصفہان[8] جاتا ہے، یہ سب سے پہلا موقع کہ وہ کسی سلجوقی سلطان کے دربار سے متعرف
ہوتا ہے، اور اس کے بعد وہ خزانہ کی افسری پھر فوج کے متولی عرض کے عہدے[9] پاتا ہے، بعد ازین نائب وزیر
ہوتا ہے[10]، ۵۱۷ھ کے پس و پیش مین معتوب ہوتا ہے، اور بغداد مین نظر بند ہوتا ہے[11]، پھر اسکا گناہ معاف
ہوتا ہے اور سال ڈیڑھ سال کے لیے ۵۲۱ھ مین سلطان محمود سلجوقی کا وزیر ہوتا ہے[12]، پھر ۵۲۹ھ مین تھوڑے

[1] زبدۃ النصرۃ صفحہ ۱۲۶، مصر و کشف الظنون ذکر فتور زمان الصدور، [2] زبدۃ النصرۃ صفحہ ۶۰، مصر [3] ایضاً صفحہ ۷۹، [4] ایضاً صفحہ ۸۲، [5] ایضاً صفحہ ۸۳، [6] ایضاً صفحہ ۸۹، [7] صفحہ ۹۲، [8] صفحہ ۹۱، [9] ایضاً صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶، [10] ۱۳۶ و [11] ابن اثیر واقعات ۵۲۱ھ

دونون کے لیے خلیفہ مسترشد باللہ کی وزارت اسکو ملتی ہے[۱]، اور آخر سنہ ۵۳۲ھ مین وہ وفات پاتا ہی،

انوشیروان کے سالِ ولادت سے میرے موجودہ ذرائعِ معلومات مجھے باخبر نہ کرسکے، تاہم ہمارے دوست نے ہم کو یہ دو اصول تعلیم کئے ہین اول یہ کہ ہم مکتبی کے لیے ہم سنی ضرور ہے، اور دوسرے یہ کہ انسان کی اوسط عمر اتنی پچاسی برس فرض کیجاسکتی ہے، اس دوسرے اصول کی بنا پر سنہ ۵۳۲ھ مین وفات یافتہ انسان کا سالِ پیدائش سنہ ۴۴۷ھ اور سنہ ۴۵۲ھ کے قریب ہونا چاہیے، حالانکہ ہمارے دوست عمر خیام اور حسن صباح کی ولادت سنہ ۴۳۰ھ مین فرض کرتے ہین، تو گویا انوشروان کی ولادت کے وقت حسن صباح اور خیام کی عمر ۱۸ یا ۲۲ کے قریب ہوگی، مکتب نشینی کا زمانہ اگر ۸ برس کا بھی فرض کیا جائے تو کیا انھین کے اصول کے مطابق عقلِ عادی اسکو جائز رکھتی ہے کہ تیس تیس برس کے جوانِ صالح ایک آٹھ برس کے بچہ کے ساتھ ہم مکتب اور ہم درس ہون،

ممکن ہے کہ ہمارے دوست یہ کہین کہ ہم نے نظام الملک کی ہم نشینی کی خاطر حسن صباح اور خیام کی ولادت سنہ ۴۳۰ھ مین فرض کی تھی، ممکن ہے کہ وہ بھی سنہ ۴۴۷ھ یا سنہ ۴۵۲ھ مین پیدا ہوئے ہون اور اس طرح یہ دونون انوشروان کے بالکل ہم سن ہوکر ہم مکتب ثابت ہوجائین، لیکن اس حالت مین ہمکو یہ معلوم ہے کہ حسن صباح الپ ارسلان المتوفی سنہ ۴۶۵ھ کا درباری تھا، اور اسکی زندگی ہی مین وہ دربار چھوڑ کر سنہ ۴۶۴ھ مین اسماعیلی دعاۃ سے مل چکا تھا، اور خیام سنہ ۴۶۰ھ اور سنہ ۴۶۵ھ کے درمیان اتنی شہرت حاصل کرچکا تھا کہ خاقان شمس الملک اسکو تخت پر اپنے ساتھ بٹھاتا تھا، اور سنہ ۴۶۷ھ مین ملکشاہ نے جو علمِ ہیئت کے مشاہیر رصد خانہ کی تعمیر کے لیے جمع کئے تھے، ان مین سرِفہرست خیام تھا، خیام کو شہرت اور کمال کا یہ درجہ حاصل کرنے اور صباح کو ایک سلطانی دربار کا عہدہ دار اعلی بننے اور اس کے بعد دعاۃ اسمٰعیلی مین داخل ہونے کے لیے کم از کم تیس چالیس برس کی تو عمر فرض کرنی چاہیے، اس بنا پر سنہ ۴۳۵ھ کے بعد ان دونون کا سال

۱ زبدۃ النصرۃ صفحہ ۱۳۲ و ابن اثیر واقعات سنہ ۵۲۱ھ ۶، مصر.

ولادت کسی طرح فرض نہین کیا جاسکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ انوشروان خالد کا ایک ہم سن و ہم مکتب جب بقول ابن اثیر، "اعیان منجمین" مین داخل ہوکر ایک رصد شاہی کا مہتم ہو، اور دوسرا ہم نشین جب حاجب سلطانی ہو اور پھر ایک بڑی تحریک کا داعی ہو تو انکی عمرین ۱۰ برس سے زیادہ نہ ہون، کیا یہ معقول فرض ہے ؟

بہرحال انوشروان خالد کو خیام اور حسن صباح کی ہم سنی اور ہم مکتبی کے لیے سنہ ۴۳۵ھ کے قرب مین پیدا ہونا چاہیے، اور اس فرض کی بنا پر اوسکی عمر اوس وقت جب وہ سنہ ۵۲۱ھ مین سلطان محمود سلجوقی کا وزیر مقرر ہوا، چھیاسی برس کی تھی، کیا یہ عمر ایک عظیم الشان سلطنت کی ابتدائے عہد وزارت کے لیے موزون ہوسکتی ہے؟

اور اس سے زیادہ یہ کہ جب وہ سنہ ۵۲۹ھ مین خلیفۂ عباسی مسترشد باللہ کا وزیر مقرر ہوتا ہے، اور سلطان سلجوقی اور خلیفۂ بغداد کے تعلقات سلجھانے کے لیے تگاپو مین مصروف ہوتا ہے تو اسکی عمر ۹۴ برس کی ہو گی وہ ارباب علم جو سو برس کے "بڈھے پھوس" خیام کے دماغ کو اعمال نجومی مین مصروف دیکھنا محال سمجھتے ہین، کیا ان سے یہ توقع کیجائے کہ وہ ۹۴ برس کے "بڈھے پھوس" انوشروان کے دماغ کو اعمالِ وزارت کی انجام ہی کے لیے محال نہین سمجھتے ؟ یا للعجب ! کسی نظریہ کو اپنی ذاتی تحقیق کے بغیر صرف ایک یورپین دماغ کے اختراع کی بنا پر قبول کرلینا اور اسکو مدعیانہ پیش کرنا کہان تک علم کی صحیح خدمت، اور حقیقت کی صحیح تلاش ہے ؟

میرے نزدیک جب تک انوشروان کا سالِ ولادت کسی ماخذ سے معلوم نہ ہو، سنہ ۴۵۰ھ سے سنہ ۴۶۰ھ تک اس کا سال ولادت فرض کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اسکی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکشاہ کے عہد تک جو سنہ ۴۶۶ھ سے سنہ ۴۸۵ھ تک ممتد ہے، واقعات کا چشمدید گواہ نہین، اور اس لیے یہ زمانہ اس کے بچپن اور طلب علم اور آغاز جوانی کا معلوم ہوتا ہے، الغرض اس وقت جب انوشروان دس برس سے سترہ برس تک کا ہوگا اس کا ایک فرضی ہم مکتب تقویم جلالی کا خاکہ کھینچ رہا ہوگا، یا رصد شاہی کی بنیاد ڈال رہا ہوگا، اور دوسرا ہم مکتب الپ ارسلان کے دربار سے روٹھکر، اسماعیلی داعیون کے بھیس مین ہوگا،

کیا اب بھی پروفیسر ٹمسا کا یہ نظریہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قابل قبول ہے ؟ جب کہ

اس پر بعینہٖ وہی اعتراضات عائد ہوتے ہیں جو نظام الملک اور خیام و حسن صباح کی ہم مکتبی پر صادق آتے ہیں،

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا،

بہرحال جب دونوں مفروضے یعنی حسن صباح و خیام کی ہمدرسی نظام الملک اور نوشروان کے ساتھ یکسان اعتراضات و تاویلات کے مورد ہو سکتے ہیں، اور ایک ان میں مشہور تر ہے تو کوئی وجہ نہین کہ ہم اسکو چھوڑ کر دوسرے کے اختیار کرنے پر مجبور کیے جائیں،

اب اس واقعہ یعنی نظام الملک کی ہمدرسی کی بیرونی شہادتوں پر غور کیجئے، یہ واقعہ یا تو نظام الملک کی تصنیف میں ملتا ہے جو گو فرضی اور جعلی ہو، اور یا حسن صباح کے سوانح میں جو اس کے ابتدائی معتقدین نے لکھے ہیں مذکور ہے، اس سے اگر حسن صباح اور نظام الملک کی باہمی رقابتوں کے اسباب کا اظہار مقصود ہے، یا اس ہمدرسی سے ایک دوسرے کا اعزاز مقصود ہے تو بیچارہ خیام کا نام اس میں کیوں شامل کیا گیا ہے، ایک شاعر و منجم و حکیم کی ہمدرسی نہ وزیر آل سلجوق کیلئے باعث اعزاز کہی جا سکتی ہے، اور نہ حاکم قلعہ الموت کے لیے، آخر اس مفروضہ داستان میں خیام کی تیسری شخصیت کیون اور کس بنا پر داخل کیگئی؟

پھر واقعہ کی صورت حال ایسی ہے، جس سے ایک طرف حسن صباح کی محسن کشی اور دوسری طرف نظام الملک کی حیلہ گری ثابت ہوتی ہے، جو دونوں میں سے ایک کے لیے بھی خوش آیند نہیں ہو سکتی، اس لیے ان دونوں میں سے کسی کے مداح و معتقد کو بھی اس داستان کے وضع کرنے کی ضرورت نہ تھی، پھر یہ واقعہ اوّلًا نظام الملک کی طرف منسوب کتاب میں ملتا ہے اور، دوسری طرف حسن صباح کے معتقدین کی کتابوں میں مذکور ہے، تاریخ گزیدہ میں یہ واقعہ ابن عطاش کے حوالہ سے ہے، جو غالبًا عطاش باطنی، مالک قلعہ اصفہان، اور حسن صباح کا شریک سازش اور استادزادہ ہو، ایک ہی واقعہ کا دو مختلف گروہوں کی کتابوں میں پایا جانا اس کی صحت کی دلیل کہی جا سکتی ہے،

اس داستان کی کیفیت جیسا کہ وصایائے نظام الملک میں ہے یہ ہے کہ نظام الملک کہتا ہے،

کہ "میں اپنے وطن طوس میں پڑھتا تھا، پھر میرے باپ نے نیشاپور میں امام موفق کی درسگاہ میں قرأت اور حدیث کی تحصیل کے لیے بھیج دیا، امام موفق خراسان کے علمائے مشاہیر میں تھے، اور نہایت بزرگ اور متبرک تھے اور ان کا سن پچاسی سے زیادہ تھا، اور مشہور تھا کہ جو انکی درسگاہ میں بیٹھتا ہے وہ دولت اور اقبال پاتا ہے اور اسکو اعلیٰ مناصب سرکاری حاصل ہوتے ہیں، چار سال میں اونکی خدمت میں رہا، اور حکیم عمر خیام اور مرد دوا بن صباح دونو نو رسیدہ تھے، (اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نو عمر تھے، یا یہ کہ درسگاہ میں نئے آئے تھے،) میرے سن کے تھے، اور درسگاہ میں میرے ہم سبق تھے، درسگاہ سے اوٹھکر ہم لوگ ساتھ اسباق کی تکرار کرتے تھے، حسن کا باپ علی بن محمد رے کا تھا، اور ابو مسلم رازی وہان کا رئیس اپنی نیکی اور حسن عقیدت کے باعث اس سے خفا رہتا تھا، علی نے اپنی سنیت کے اظہار کے لیے اپنے بچہ کو اہل سنت کے متفق علیہ امام موفق کی درسگاہ میں پہنچا دیا، حسن اکثر زاویہ نشین رہتا، کبھی اعتزال اور کبھی الحاد کی باتیں کرتا، ایک روز خیام اور حسن نے مجھسے کہا کہ امام کی درسگاہ سے ہم میں سے کوئی اعلیٰ منصب پر ضرور پہنچیگا، ہم سب تو نہیں پہنچ سکتے، کوئی ایک پہنچیگا، تو باہمی معاہدہ یہ ہوا کہ جسکو دولت و منصب ملے وہ دوسروں کو بھی برابر کا شریک کرے، ایک زمانہ اس پر گذر گیا، میں خراسان سے ماوراءالنہر میں چلا گیا، غزنین و کابل میں پڑا رہا، جب مجھ کو وزارت نصیب ہوئی، سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں عمر خیام میرے پاس آیا، میں نے کہا میں شرط پر قائم ہون، کہو تو سلطان سے کہکر کوئی عہدہ دلواؤن، چونکہ وہ شریف الطبع اور قانع تھا، اس نے تھوڑی سی مدد چاہی، میں نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا، وہ فارغ البال ہو کر تکمیل فن میں لگ گیا اور علم ہیئت میں کمال حاصل کیا، حسن صباح الپ ارسلان کے زمانہ میں گمنام تھا، ملکشاہ کے زمانہ میں اس سال رسمہ جب اس نے قاردون جعفری بک کی مہم سے فرصت پائی تھی، نیشاپور میں نمودار ہوا اور میرے پاس آیا، میں نے اسکی بڑی عزت کی، اور اپنی اعانت پیش کی، اس نے بناوٹ سے بڑی قناعت اور زہد کا اظہار کیا، میں نے سلطان سے اسکی تقریب کی، اس نے سلطان کے مزاج میں در خور پیدا کر لیا، حاصل یہ کہ میں نے

اسکو اس درجہ پہنچایا، اور آخر اس نے بدسیرتی سے یہ طریقہ اختیار کیا، کہ میری ذرا ذرا سی دفتری فرو گذاشت کو سلطان کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتا تھا، (اس کے بعد اس قسم کے چند واقعے بیان کیے، مین منجملہ اُن کے ایک یہ کہ) ایک دن سلطان نے تمام محاصل کی فرد طلب کی، مین نے جتنی مدت اس کے لیے مانگی، اُس نے اس سے دسوین مدت کم مین اس کے تیار کر دینے پر آمادگی ظاہر کی، اور اس نے واقعی کمال کیا کہ اس مدت مین اسکو تیار کر دیا، لیکن چونکہ اس کا کام حسد، رشک اور بدعہدی پر مبنی تھا، اس نے تائید نہ پائی، اور کاغذات پیش کرتے وقت خجالت اُٹھائی، اور پھر دربار مین ٹھہرنے کی مجال اسکو نہ ہوئی"

دوسری کتابون مین ہے کہ نظام الملک نے حسن صباح کے ایک غلام کو ملا کر حسن صباح کے تیار کردہ فرد کے کاغذات الٹوا پلٹوا دئے تھے، اور بعض روایتون مین ہے کہ نظام الملک نے قصداً کاغذات ہاتھ سے گرا دئے کہ وہ غیر مرتب ہو گئے، اور اس طرح حسن صباح کی محنت اکارت گئی،

اس داستان مین ایک لفظ "ہم سنی" کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہین جس پر گرفت کیجا سکے، اس داستان مین جتنے اشخاص ہین سب تاریخی ہین، ابو مسلم رازی، رے کا رئیس بھی تھا اور نظام الملک کا خسر تھا امام موفق کی قدر و جلالت اور عزت و شہرت بھی ویسی ہی تھی جیسی اس مین بیان کیگئی ہے، نظام الملک کا حسن صباح کے ساتھ باعزاز پیش آنا بھی ثابت ہے، ابن اثیر مین ہے،

"حسن صباح ایک بلند ہمت، لائق اور ہندسہ، حساب نجوم، اور سحر وغیرہ کا عالم تھا، اور رے کا رئیس ایک شخص تھا جسکو ابو مسلم کہتے تھے، اور جو نظام الملک کا خسر تھا، تو حسن صباح پر یہ الزام لگا کر (اسمٰعیلی) مصریون کے داعیون کی ایک جماعت اس کے پاس آتی ہے، تو ابن صباح اس سے ڈرا، اور نظام الملک اسکی عزت کرتا تھا، ایک دن نظام الملک نے قیافہ سے تاڑ کر کہا کہ عنقریب یہ بیوقوف عوام کو گمراہ کریگا، جب حسن ابو مسلم سے بھاگا تو اس نے اس کو بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہین ملا اور حسن حکیم ابن عطاس کے شاگردون مین سے تھا جو قلعہ اصفہان کا مالک ہو گیا تھا حسن صباح نے اور ملکون مین پھرا اور مصر پہنچا، .... (ج ۱۰ ص ۲۱۶)

امام موفق جنکا اس داستان مین نام آتا ہے، نیشاپور کے ایک جلیل القدر علمی خاندان سے تھے، ابو عمر محمد بن حسین بسطامی شافعی جو ۳۸۸ھ مین نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے تھے، اور سلطنت اور خلافت کے درمیان سفارت کا فرض انجام دے چکے تھے، ان کے صاحبزادہ تھے، ۴۰۷ھ مین قاضی ابو عمر نے وفات پائی، اور ان کے بجائے امام موفق مسند نشین ہوئے، انکا نام ہبۃ اللہ اور لقب جمال الاسلام تھا، یہ اپنے زمانہ مین تمام شوافع کے مقتدا اور رئیس تھے، اور انکی مجلس علماء اور ارباب علم کا مرکز تھی، تمام ملک مین وہ مقبول اور ہر دلعزیز تھے، ۴۴۰ھ مین وفات پائی، انکا انتقال ہوا تو حضرت ابو القاسم قشیری نے ان کے صاحبزادہ ابو سہل ابن الموفق کو سلطنت کی اجازت سے مسند علم و درس پر بٹھایا اور تمام شوافع کو انکی اطاعت پر جمع کیا[1]

امام موفق کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کو دیکھکر سلجوقی سلطنت جو ابھی عہد طفولیت مین تھی ان کے اعزاز و احترام پر مجبور تھی، بلکہ سلطان طغرل انکا مرید و معتقد تھا، ۴۳۷ھ مین جب حکیم ناصر خسرو نیشاپور پہنچا ہے، تو ان سے ملا تھا، وہ کہتا ہے کہ "حاکم زمان طغرل بک محمد بود...... از نیشاپور بیرون رفتم در صحبت خواجہ موفق کہ خواجہ سلطان بود"[2]، اب ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ایسے بزرگ کی درسگاہ کی نسبت لوگون کی یہ توقع بجا ہو سکتی ہے کہ وہان پڑھکر اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز ہونگے، پھر واقعات بھی اس کے شاہد ہین طغرل کا مشہور وزیر عمید الملک کندری جسکا نظام الملک جانشین تھا، وہ امام موفق ہی کے مشورہ سے وزیر مقرر ہوا تھا اور اس عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہوا تھا، زبدۃ النصرۃ مین ہے،

وکان سبب معرفتہ لطغرل	طغرل کی عمید الملک سے شناسائی کی وجہ یہ ہوئی کہ جب طغرل
بک انہ لما ورد نیشاپور افتقر	نیشاپور آیا تو اسکو ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو عربی
الی کاتب یجمع فی العربیۃ والفارسیۃ	اور فارسی دونون زبانون کا منشی ہو، اور

[1] طبقات الکبریٰ سبکی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵، [2] مصر ۱۸۹۵ میرے پیش نظر سفرنامۂ ناصر خسرو کا قلمی نسخہ ہے، جسکے صفحہ ۳ مین یہ عبارت ہے،

بین الفصاحتین فدل له علیه الموفق والد ابی سهل (ص ٦٩)

دونون مین فصیح ہو تو ابو سہل کے والد موفق نے عمید الملک کا پتہ بتایا۔

ابن اثیر مین ہے،

وکان سبب اتصاله بالسلطان طغرلبك ان السلطان لما ورد نیشاپور طلب رجلا یکتب ویکون فصیحا بالعربیة فدل علیه الموفق والد ابی سهل (ج ١٠، ص ٢٠)

عمید الملک کے سلطان طغرل تک پہنچنے کا سبب یہ ہوا کہ طغرل جب نیشاپور آیا، تو اس نے ایک شخص کو تلاش کیا جو اسکا میر منشی ہو سکے اور عربی مین فصیح ہو تو ابو سہل کے والد موفق نے اسکا پتہ دیا،

اگر تمام عمر مین ایک شخص بھی ایک ایسے بزرگ کے وسیلہ سے اس بلند و عظیم مرتبہ و جاہ پر سرفراز ہوا تو عوام مین ان کے متعلق عقیدت خاص کے پیدا ہونے کے لیے بالکل کافی ہے۔

مین سمجھتا ہون کہ اس مبحث کے تمام پہلوؤن پر کافی روشنی پڑ چکی ہے، اب ڈاکٹر صاحب کے دوسرے شبہات کو رفع کرنا ہے۔

رباعیات کے نسخے ڈاکٹر صاحب نے یہ صحیح فرمایا ہے کہ رباعیات کے متعدد و مختلف نسخے ہین، "اُسکی بہت سی رباعیان دوسرون کی طرف منسوب ہین، اور دوسرونکی رباعیان اُسکی طرف منسوب ہو گئی ہین، ایسی حالت مین وہ کونسا معتبر نسخہ ہے، جس پر مولانا نے اعتبار کیا؟ یورپ کے مستشرقین نے اس کی بیسیون رباعیان اور ون کے نام سے پائی ہین، چنانچہ مولانا نے خیام کی جو رباعیان نقل کی ہین، ان مین سے ڈاکٹر صاحب کے شمار کے مطابق دس رباعیان وہ ہین جنکو ژوکوفسکی نے دوسرونکی طرف منسوب پایا ہے، اور جب ایک یورپین مستشرق نے انکو دوسرونکی طرف منسوب پایا تو وہ اب خیام کی کیونکر ہو سکتی ہین؟

یہ استدلال بالکل بجا ہے، لیکن ایک کلام جب دو شاعرونکی طرف منسوب ہے تو آپ کیا کیجیےگا

یہ کیجیے گا کہ وہ دونون کی ملکیت مشترکہ قرار دیجیے گا، یا دونون کو اسکی ملکیت سے بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا محروم کر دیجیے گا یا آدھا آدھا دونون مین بانٹ کر مصالحت کرا دیجیے گا، ظاہر ہے کہ ان تینون مین سے کچھ نہ کیجیے گا، بلکہ اپنے مذاق پر اعتبار کر کے ان دونون مدعیون مین سے ایک کے حق مین اسکی ملکیت کا فیصلہ کر دیجیگا، اور یہی مولانا نے کیا ہے، آپ کا ذوق اگر اسکو خیام کا کلام ماننے سے ابا کرتا ہے، تو آپ کو مجبور نہین کیا جا سکتا ہے، مجھے معلوم نہین کہ مولانا کے سامنے مخصوص طور پر کون نسخہ تھا، مولانا کے مملوکات مین ایک نہایت عمدہ خوشخط ضخیم فارسی بیاض اشعار ہے جس مین علما، مشائخ، حکما، و فلاسفہ، سلاطین و امرا، کی تقسیم سے اشعار جمع کیے گیے ہین، اس مین خیام کی رباعیات بھی ہین، یہ مجموعہ اس وقت کتب خانہ دار المصنفین مین ہے، اور اس مین یہ اکثر رباعیان خیام کے نام سے ہین، عجب نہین کہ یہی قلمی نسخہ اس وقت ان کے سامنے ہو، بہرحال کسی یورپین مستشرق کا مستند و معتبر نسخہ اگر انکے پیش نظر نہ تھا، اور مشرقی ہی لوگون کے مرتبہ قلمی نسخہ یا نسخے ان کے پاس تھے، تو یہ کوئی جرم نہین،

ہمارے دوست لکھتے ہین کہ "زبان اور انداز سے خیام کی رباعیات دوسرے اساتذہ مثلاً مولانا رومی، عطار، حافظ، سنائی، انوری، بو علی سینا وغیرہ کی جو رباعیان خیام کی رباعیون کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہین ان سب کا انداز قریب قریب یکسان ہے اور سب کے مضامین متحد اور متشابہ ہین، لہذا ان مین تمیز کرنا اور صرف انداز بیان سے مصنف کا پتہ لگانا محال ہے، اگر یہ حقیقت ہے تو خیام کی اس پرستش اور پرستش کی وجہ پھر کیا ہے؟ اور کیون اسکو ایک خیامی فلسفہ کا مجدد سمجھا جاتا ہے۔

ژوکوفسکی نے جن ۸۵ رباعیون کو غیرونکی طرف منسوب پایا ہے، ان مین قریب نصف رباعیان شیخ عطار، مولانا رومی اور حافظ کی رباعیون مین بھی شامل پائی گئی ہین، اور باقی نصف سلطان ابو سعید بو علی سینا، فردوسی، انوری، سنائی اور عبد اللہ انصاری کی طرف بھی منسوب ہین، ان مین چار قسم کے اشخاص ہین، نرے فلسفی جیسے بو علی سینا، نرے شاعر، جیسے فردوسی اور انوری، باقی صوفی اصحاب

ہین، خیام ان اقسام اربعہ مین سے الگ شاہراہ رکھتا ہے، اور اس سیلئے آشنائے ذوق کے لیے اوسکا
پہچاننا مشکل نہین، لیکن یہ تمامتر ذوقی چیزین ہین،

کتب وتصنیفات مولنا نے لکھا ہے کہ خیام کی زیچ یورپ نے چھاپکر شایع کی ہے،" ڈاکٹر صاحب کہتے ہین،
کہ خیام کی کوئی زیچ آج تک یورپ مین شایع نہین ہوئی، یہ عجیب گول فقرہ ہے، اگر یہ مقصود ہے،
کہ خیام نے کبھی کوئی زیچ تیار ہی نہین کی جسکو یورپ شایع کرتا، تو یہ قطعاً غلط ہے، رصد ملکشاہی مین
جو زیچ تیار ہوئی تھی، وہ خیام ہی کی تیار کردہ تھی، چنانچہ کشف الظنون مین زیچ ملکشاہی اس کے نام
سے لکھی ہے، اور خود علامۂ قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین اسکو تسلیم کیا ہی اور اگر یہ مقصود ہے کہ اسکا نام
زیچ خیام نہین زیچ ملکشاہی ہے تو مولانا نے بھی اوسکو زیچ خیام نہین کہا ہے، اگر یہ مقصود ہے
کہ خیام کی تیار کردہ زیچ ملکشاہی یورپ مین اب تک چھاپی نہین گئی ہے، تو یہ مسئلہ چندان اہم نہین، یہ
تو اطلاع کی بات ہی آپ یورپ مین چند سال رہ چکے ہین، آپکی اطلاع مطبوعات یورپ کی نسبت زیادہ صحیح ہوگی
اگر مجھے یاد آتا ہے کہ اٹالین مستشرق گویدی یا کرنلو اسکی اشاعت مین مصروف تھا، لیکن ابھی مین اسکی نسبت نفیاً یا اثباتاً
کوئی امر وثوق کے ساتھ نہین کہہ سکتا، اور نہ اپنے دوست کی اطلاع صحیح تسلیم کرنے کو تیار ہون،

مولانا نے خیام کی بعض تصنیفات کا ذکر کیا ہے اور بعض ایسی تصنیفات کے ذکر سے خاموش ہین جو یورپ کے
کتبخانون مین ملتی ہین، اور جنکا ذکر علامۂ قزوینی نے یورپ مین بیٹھکر اپنے حواشی مین کیا ہی، یہ کوئی چندان گرفت کی بات
نہین، ظاہر ہے کہ مولانا یورپ کے کتبخانون سے علامۂ قزوینی یا پروفیسر براؤن کی طرح نہ واقف تھے، اور نہ ہوسکتے
تھے، لیکن خیام کی تمام تصنیفات کا نام ونشان نہ بتانا اگر نقص ہی، تو مین کہہ سکتا ہون کہ ہمارے دوست
نے خیام کی ایک اور تصنیف کا ذکر نہین کیا جس کا نام غالباً لوازم الامکنہ یا تقاسیم الوجود ہی، اور جو اس وقت مجھی پروفیسر عبد القادر
(بمبئی) کی ملکیت مین ہے،

ہمارے دوست نے اس پر بھی طنز کیا ہے کہ مولنا نے شہرزوری کی نزہتہ الارواح کا نام تاریخ الحکما

لکھدیا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی باتون پر گرفت تنگدلی ہے، شہرزوری کی کتاب کا پورا نام نزہتہ الارواح و
روضتہ الافراح فی تواریخ الحکماء المتقدمین والمتاخرین ہی اگر اختصار کے لحاظ سے اسکو مولنا نے تاریخ الحکماء لکھدیا یعنی
نام کا دوسرا جزء لے لیا تو کیا یہ غلطی ہی؟ جناب نے اپنے مضمون مین زبدۃ النصرۃ شایع کردہ ہوتسما کو عماد الدین کاتب کی
طرف منسوب کیا ہی، حالانکہ عماد الدین کی کتاب کا نام نصرۃ الفترۃ وعصرۃ الفطرۃ" ہی، اور ہوتسما نے اس کے خلاصہ کو
جسکا نام زبدۃ النصرۃ ونخبۃ العصرۃ ہی اور جو فتح بن علی بن محمد بنداری کی ہی شایع کیا ہی، یہ دونون الگ الگ ہین
اگر میرے قول پر وثوق نہ ہو تو پیرس کی نیشنل لائبریری کی قلمی عربی کتابونکی فہرست مین نمبر ۵۷۷۲، ۷۷۱۲، ۷۷۲ دیکھیے

عرائس النفائس مولانا نے شہرزوری کے حوالہ سے خیام کی ایک کتاب عرائس النفائس کا نام لکھا ہی کہ خیام نے ایک بحث کے
دوران مین کہا کہ "مین اس مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس مین لکھ چکا ہون" ڈاکٹر صاحب لکھتے ہین کہ شہرزوری کی اس
عبارت مین یہ فقرہ نہین، مولانا شبلی نے اسکو اپنی طرف سے بڑھا دیا ہی، ہمارے لائق دوست نے اپنے پورے مضمون مین
اس سے زیادہ دلیرانہ فقرہ کوئی نہین لکھا، اور یہ دلیری انھون نے اس لیے کی ہی کہ علامۂ قزوینی نے اپنی عبارت مین اس فقرہ
کو نقل نہین کیا ہی، لیکن لطف یہ ہی کہ ہمارے وسیع النظر دوست نے خود شہرزوری کی کتاب ملاحظہ نہین فرمائی ہے اور
نہ علامۂ قزوینی نے اس موقع پر شہرزوری کی طرف مراجعت کی ہی، جیسا کہ انھون نے خود تصریح کردی ہی، اور لکھا ہی
کہ مین نے زوکوفسکی سے یہ عبارت نقل کی ہی، اس سے زیادہ ایک انسان کی علمی جرأت اور کیا ہو سکتی ہے کہ
ایک کتاب کو دیکھے بغیر اس کے متعلق کوئی مدعیانہ فقرہ اپنی زبان وقلم سے نکالے، اور اس پر فخر کرے،

ہمارے محقق دوست ملتفت ہین؟ شہرزوری کا نسخہ مولانا کے استعمال مین کم از کم دس بارہ برس رہا، انکا ذاتی
نسخہ جو اب کتبخانۂ ندوہ مین ہے حیدرآباد کے نسخہ سے منقول ہی، حیدرآباد کا یہ نسخہ ۷۳۶ھ مین تبریز مین لکھا گیا ہے،
یعنی مصنف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد لکھا گیا ہے، اس مین یہ فقرہ مذکور ہے

فقال الخیامی انا قد ذکرت ذلک فی کتاب	خیام نے کہا مین نے اسکو اپنی تصنیف عرائس النفائس مین
عرائس النفائس من تصنیفی (صفحہ ۲، نسخۂ ندوہ)	بیان کیا ہے،

ہمارے فاضل دوست نے انکار کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ قزوینی نے چہار مقالہ مین یہ فقرہ نقل نہین کیا ہے، قزوینی نے یہ عبارت ژدکوفسکی سے بعینہ نقل کیا ہے اور ژدکوفسکی مین یہ فقرہ نہین، اور یورپین مستشرق سے کبھی نقل عبارت مین کوئی فقرہ نہین چھوٹا کرتا، پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ہو نہو ہندوستان ہی کے مصنف نے غلطی کی ہے، لیکن ژدکوفسکی کی اس منقولہ عبارت مین تو کم ازکم دو غلطیان ایسی ہین جن مین سے ایک کی علامہ قزوینی نے اپنی طرف سے تصحیح کردی ہے، بہرحال کتاب موجود ہے اور فیصلہ ہو سکتا ہے۔

صفحات بالا مین ڈاکٹر صاحب کے تمام اعتراضات کے سنجیدگی اور ملائمت کے لہجہ مین جواب دے گئے ہین، لیکن دوران بحث مین ابھی کئی باتین ڈاکٹر صاحب کے لیے محتاج ثبوت ہین، لیکن مین نے قصداً ان کو تسلیم کرلیا ہے، مثلاً خیام کی تاریخ وفات کا مسئلہ وصایائے نظام الملک کے تمام تر جعلی اور فرضی ہونے کی بحث، امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس تشنہ بحث کو تکمیل تک پہنچا کر اپنی زبان پر احسان فرمائینگے معارف کے صفحات ہمیشہ انکی تحقیقات کے قبول کرنے کے لیے کھلے ہوئے ہین، آخر مین اپنے "ہندی مستشرق" دوست سے عرض ہے کہ اپنے دوسرے مشرقی علمی خدمت گذار دن کو نظرِ حقارت سے نہ دیکھین،

دوستان عیب من بیدلِ حیران مکنید ۔ جوہرے دارم و صاحب نظرے میجویم

نفسیاتِ جبلّت

از مولوی معتقد ولی الرحمان صاحب ایم اے مددگار پروفیسر فلسفہ، جامعۂ عثمانیہ

ہم نے پہلے کہین کہا ہو کہ افعال جبلّی مین **تجربہ** کی وجہ سے تغیر ہو جاتا ہے، اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ تغیر کس قسم کا ہوتا ہے اور اس سے اس فعلیت پر کیا اثر پڑتا ہے،

جبلت کو ہم نے ایک خاص نفسی طبعی عمل کا نتیجہ کہا ہے، جس مین تمام نفسی اعمال کے تین اجزا لاینفک موجود ہوتے ہین، وقوفی[1]، مرکزی[2] اور حرکی[3]، تجربہ کی وجہ سے صرف وقوفی اور حرکی اجزا مین تغیر آتا ہے، مرکزی حصہ غیر متغیر رہتا ہے، ان دونون حصون مین تغیرات کس قسم کے ہوتے ہین؟ اس سوال کا جواب آیندہ سطور کا موضوع ہے،

حصۂ وقوفی مین **تجربہ** کی وجہ سے ایک تغیر تو یہ ہوتا ہے کہ اس مین تخصیص پیدا ہو جاتی ہے[4]، مثلاً انسان اور جانور دونون مین ہر بلند آواز خوف کا باعث ہوتی ہے، لیکن اگر یہی آواز متواتر اور بہ تکرار سنی جائے اور اس سے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے تو اس سے خوف پیدا نہین ہوتا، ریل کے سفر مین اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ریل کی پٹری کے دونون طرف گائے بیل نہایت اطمینان کے ساتھ چرتے رہتے ہین، اس آواز سے ان مین خوف پیدا نہین ہوتا، اسی طرح مرغی کا بچہ شروع مین ہر چھوٹی چیز پر ٹھونگ مارتا ہے، لیکن تجربہ کے بعد وہ صرف دانون پر ٹھونگ مارتا ہے، ان دونون مثالون اور اسی قسم کی اور مثالون مین ایک بات قابل غور یہ ہے کہ ان مین نہ صرف تخصیص ہی پیدا ہوئی، بلکہ تجربہ کی وجہ سے قابلیت علم[5] یقیناً

---

[4] نفسیات عمرانی مصنفہ میک ڈوگل صفحہ ۳۲ [5] ہیومن آنتھراپولوجی مصنفہ اسٹاؤٹ صفحہ ۳۴،

بھی رونما ہوگئی، وہی گائے بیل جو ریل کی آواز سے متاثر نہین ہوتے کسی اور بلند یا کرخت آواز سے گریزان ہوجاتے ہین، وہ دو مختلف آوازون مین امتیاز کرتے ہین، اسی طرح مرغی کا بچہ نہ صرف دانون پر ٹھونگ مارتا ہے بلکہ دانون یا خوراک کی مختلف قسمون مین امتیاز بھی کرنے لگتا ہے،

اس کے علاوہ تجربہ کا ایک اور اثر یہ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے فعل جبلی کے ہیجات کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے، اور بعد مین وہ چیزین بھی جبلی افعال کی باعث ہوجاتی ہین، جو شروع مین اور در اصل ان سے بالکل بے تعلق ہوتی ہین[1]، لائڈ مارگن کا بیان ہے کہ:-

"ہم نے ایک مرغی کے بچے کے لیے زمین کھود کر خوراک نکالی اور وہ اسکو دیکھتے ہی کود کر آگیا اور اسکو ہضم کر گیا، بعد مین وہ بچہ جب کبھی میرے ہاتھ مین پھاوڑا دیکھتا تو میرے پیچھے ہو جاتا[2]،

اسی طرح عام مشاہدہ ہے کہ چڑیا خانون مین جانور اس شخص کی شکل دیکھکر مضطرب ہوجاتے ہین جو ان کو خوراک دیتا ہے، ان سب مثالون مین ان جانورونکی جبلت خوراک طلبی کی تحریک ان اشیار سے ہوئی جنکو خوراک سے کوئی تعلق نہین، اصل مین اس جبلت کی تحریک ماکولات کو دیکھکر ہونی چاہیے تھی، لیکن تجربے نے اپنا اثر اس طرح دکھایا کہ وہ اشیار جو ان ماکولات کے ساتھ مالوف تھین اس قابل ہوگئین کہ ان کے فعل جبلی کا محرک و ہیج بن سکین، بالعموم اور تجربہ سے قبل یہی اشیا، ان کے نزدیک قابل اعتنا خیال نہین کیجاتین لیکن تجربہ کے بعد انکی اہمیت مین کسی قدر اضافہ ہوگیا ہے[3]،

[1] مینوئل آف سائیکالوجی مصنفہ اسٹاوٹ صفحہ ۳۴۹، [2] "عادت اور جبلت" صفحہ ۱۲۸، [3] بظاہر افعال اضطراری مین بھی یہی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ بعض اشخاص اس قسم کے ہوتے ہین کہ گردن ہی گدگدی کا اشارہ کیا جائے تو وہ بیقرار ہوجاتے ہین اور انکی حالت بعینہ وہی ہوتی ہے جو اسوقت ہوتی جب فی الواقع انکو گدگدا دیا گیا ہو، اس لحاظ سے تجربہ کی وجہ تغیر کا ہونا افعال جبلی کی خصوصیت نہین لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونون صورتون مین فرق ہے گدگدی کی صورت مین ہیج کے محض اشارہ سے جواب ظاہر ہوجاتا ہے لیکن افعال جبلی مین وہ جواب ظاہر نہین ہوتا مخصوص جواب اسی وقت صادر ہوتا ہے جب اسکا مخصوص ہیج ظاہر ہوتا ہے، مرغی کا بچہ پھاوڑا دیکھتے ہی

تجربہ کی وجہ سے ہیجات کا دائرہ اس طرح بھی وسیع ہوجاتا ہے کہ اصلی ہیجات کے مشابہ اشیار بھی جبلی افعال کی محرک ہوجاتی ہین چنانچہ "ہر وہ شی یا ارتسام حسی جو ایک فعل جبلی کے مخصوص ہیج کے کم و بیش مشابہ ہو، لیکن در اصل اس سے بالکل مختلف ہو اس فعل کا ان مشابہتون کی وجہ سے محرک ہوجاتا ہے[1]" مثلاً رات کے وقت گھوڑے درختون کے سایہ سے ڈرتے ہین، یا کوئی اور چیز بھی جو ان کے راستے مین ہو اور جو کسی ایسی چیز کے مشابہ ہو جو فی الحقیقت خوف کا محرک ہو، جبلت خوف کا باعث ہوتی ہے، بعینہ یہی کیفیت انسان کی بھی ہے، انسان مین بھی ذرا ذرا سی مشابہتون سے جبلت کی تحریک ہوجاتی ہے، اور اس تحریک کے لیے یہ ضروری نہین کہ وہ فرد ان مشابہتون سے صریحی طور پر واقف ہو، یا یہ کہ اس نئی چیز کو دیکھ کر اس کو اصلی چیز کا خیال آئے، اگرچہ اس مین شک نہین کہ دونون صورتین ناممکن نہین، اسکی ایک مثال یہ ہے، کہ اگر ایک بچہ کسی خاص شخص کو دیکھ کر ڈرا ہو تو بعد مین وہ اس شخص کے ہم شکل کو دیکھ کر بھی ڈرتا ہے، اور بعینہ وہی حرکات کرتا ہے جو اس نے پہلے موقع پر کی تھین، اور اس کے لیے ضروری نہین ہوتا کہ وہ پہلے شخص کا یا اسکی وجہ سے جو خوف ہوا تھا اُسکا خیال دل مین لائے، دوسری صورت مین ان باتون کے بغیر ہی جبلت خوف ظاہر ہوجاتی ہے،

جبلت کے حصۂ حرکی مین تغیرات صرف انسانون مین ممکن ہین، کیونکہ جانور شاذ و نادر ہی ایسی مرکب حرکات کا اکتساب کرتے ہین، جو خلقی طور پر ان مین ودیعت نہین ہوتین، اور اسی طرح وہ بہت کم ان کو استعمال کرتے ہین[2]، یہان تک کہ پالتو کتے مین بھی یہ قابلیت نہین ہوتی، حالانکہ عام طور پر اس کو بہت عقلمند سمجھا جاتا ہے، اس مین شک نہین کہ اکثر اعلیٰ قسم کے جانورون کو اس طرح تعلیم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) زمین پر ٹھونگین مارنی شروع نہین کرتا بلکہ اس پھاوڑے کا تعاقب کرتا ہے اور جب خوراک دکھائی دیتی ہے اس وقت ٹھونگ مارنا شروع کرتا ہے، اگر خوراک دکھائی نہ دے تو وہ ٹھونگ بھی نہین مارتا،

[1] نفسیات عمرانی مصنفہ میکڈوگل صفحہ ۳۹، [2] ایضاً صفحہ ۴۰،

دیکھ سکتی ہی کہ وہ نئی نئی حرکات کرین، مثلاً سرکس مین گھوڑے، ہاتھیون وغیرہ کو مختلف کام کرنے کے لیے
سدھایا جاتا ہے، لیکن جس حیرت و تعجب سے ہم انکی حرکات کو دیکھتے ہین اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاذ و نادر
ہی اُن سے صادر ہوتی ہین، ورنہ عام طور پر وہ وہی حرکات کرتے ہین جو انکی خلقت مین شامل ہوتی ہین،
اس کے برخلاف انسان مین بہت کم جبلتین اس قسم کی ہوتی ہین جو پیدائش کے بعد ہی پختہ ہو جاتی ہون
ورنہ اکثر بعد مین ترقی یافتہ ہوتی ہین اور انکی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی عقلی ترقی بھی ہوتی ہی، و اس طرح
اس کے ہر فعل مین عقل کا عمل دخل ہو جاتا ہی، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے جبلی افعال یا جبلت
کے مظاہر خالصۃً خلقی نہین ہوتے، وہ ان حرکات کو روک سکتا ہی، ان مین مصلحت وقت کے مطابق
تغیر و تبدل کر سکتا ہے، مثلاً غصّہ کی حالت مین جسم مین عام طور پر تو یہ تغیر ہوتا ہے کہ ہاتھ سے مارنے کے
لیے اُٹھے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم بجائے ہاتھ سے مارنے کے کسی اور چیز کو استعمال کرین، چنانچہ سپاہی
غصہ کی حالت مین تلوار کھینچتے ہین یا بعض اشخاص فوراً تمنچہ نکال لیتے ہین، اور یہ بھی ممکن ہی کہ ہم نہ تلوار
اُٹھائین نہ تمنچہ نکالین، بلکہ اپنے غصّہ کو کسی حرکت سے بھی ظاہر نہ ہونے دین، ظاہر ہے کہ یہ تمام تغیرات
صرف انسانون مین ہو سکتے ہین، جانورون مین ممکن نہین، جانور غصّہ کی حالت مین ہمیشہ اپنا مخصوص
آلۂ تحفظ استعمال کرتے ہین، چنانچہ بیل بھینس وغیرہ سینگ مارتی ہین، گھوڑا لات مارتا ہی، اور کتا دانت
کاٹتا ہے، وقس علے ہذا،

جبلت کے متعلق ایک عام سوال یہ ہی کہ کیا اس مین عقل کا عمل دخل ہوتا ہی؟ اگر ہوتا ہے تو کس
حد تک؟ جبلت کی ماہیت کی طرح اس مین بھی ماہرین کا اختلاف ہی، بعض تو جبلت مین عقل کے وجود
کے بالکل منکر ہین، بعض کا خیال ہی کہ فعل جبلی کے پہلے صدور پر عقل نہین ہوتی، لیکن تجربہ کی وسعت
اور تنوع کی وجہ سے اس مین عقل کا دخل ہو جاتا ہی، اور بعض کہتے ہین شروع ہی سے اس مین عقل شامل
ہوتی ہے، پہلے گروہ مین تو وہ ماہرین خصوصیت کے ساتھ شامل ہین جو صرف ظاہری افعال پر بحث
کرتے ہین اور بعض وہ بھی جس کے نزدیک نفسیات مطالعۂ باطنی پر مبنی ہی، دوسرے گروہ مین بالعموم وہ ماہرین ہین جو حیوانات کی
نفسیات یا نفسیات تطبیقی سے سروکار رکھتے ہین اور تیسرے طبقہ مین دیگر ماہرین ہین اب ہم مجملاً ان تینون مین سے ہر ایک کے عقائد و خیالات پر بحث کرینگے،

جو ماہرین صرف ظاہری افعال سے بحث کرتے ہین ان کے نزدیک، جیساکہ ہم شروع مین
بتا چکے ہین، جبلت کے لیے شعور کا وجود لازمی نہین، کیونکہ اصل مین یہ فعل اضطراری کی دوسری صورت
ہے، اور اس مین بھی ان کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہین، جب یہ لوگ شعور ہی کے وجود کو
غیر ضروری مانتے ہین تو بھلا عقل کو کسطرح دخیل مان سکتے ہین؟ لیکن ماہرین کے اس طبقہ کی طرف سے
اس قسم کے خیالات باعث تعجب نہین، کیونکہ انھون نے نفسیات کو جس بنا پر مبنی کیا ہے وہ اسی
کی مقتضی ہے، تعجب اگر ہو سکتا ہے تو ان ماہرین پر جو اپنے آپ کو اس گروہ مین شامل کرنا پسند بھی نہین
کرتے، اور اس کے ساتھ ہی ان کے ہمخیال بھی ہین، مثلاً پروفیسر کارل گروس، ان کا عقیدہ ہے کہ
اگر جبلت کی تعریف سے کوئی عملی فائدہ متصور ہے تو اس مین سے شعور کے تصور کو نہایت سختی کے ساتھ
خارج کر دینا چاہیے[1]" پروفیسر لائڈ مارگن بھی ان ہی کے ہمخیال ہین، انھون نے جبلت کی تعریف اس
طرح کی ہے کہ:-

"افعال جبلی وہ ہوتے ہین جن مین کوئی تغیر نہ ہو، جنھین غیر مناسبت مفقود ہو، اور
اس وجہ سے تصرف اور عقل کی رہنمائی کی مدد سے فروی اکتساب مہارت ضروری نہ ہو[2]
اور آگے چل کر لکھتا ہے:-

"ہم یہان تک کہہ سکتے ہین کہ عقلی تصرف کے بغیر صرف تکرار سے بھی جبلی فعلیت صحت
حاصل کر سکتی ہے"[3]

اس مین کلام نہین کہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ،

---

[1] نفسیات عمرانی مصنفہ میکڈوگل صفحہ ۳۰ (حاشیہ) [2] نفسیات تطبیقی صفحہ ۲۰۷، [3] ایضاً صفحہ ۲۰۷،

"جس صورت مین جبلت مین نئے حالات کے مطابق تغیر ہو جائے تو یہ تغیر عقلی تصرف کا نتیجہ ہوتا ہے، اور یہ تغیر یا تطابق جبلت کا جزو نہین ہوتا"[1]

لیکن اس کے ساتھ اس کا خیال یہ بھی ہے کہ

"اگر جبلی افعال مین عقل کی رہنمائی ہو تو وہ جبلی نہین رہتے"[2]

ان تمام بیانات سے معلوم ہوتا ہی کہ لائڈ مارگن بھی خالص جبلت مین عقل کے وجود کو تسلیم نہین کرتا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر جبلت مین عقل نہین ہوتی، بلکہ محض اضطرارات حسی کی بنا پر تمام فعلیت قائم رہتی ہے، تو "اختلاف مساعی" کی توجیہ کس طرح ہوگی؟ ہم پہلے دیکھ چکے ہین کہ اگر ایک طریق کار ایک خاص نتیجہ پیدا کرنے مین ناکام رہتا ہے تو اس کو ترک کر کے دوسرا اختیار کر لیا جاتا ہے، اور جب تک وہ نتیجہ حاصل نہین ہو جاتا، اس وقت تک اس مین تغیر جاری رہتا ہے، ظاہر ہے کہ اسکی سوائے عقلی تصرف کے کسی اور طرح توجیہ ممکن نہین، اور محض عقل کے دخل سے اس فعل کی جبلی حیثیت مین کسی قسم کا فرق نہین آتا، اگر ہم یہ بھی مان لین کہ افعال اضطراری کا سلسلہ (یا بالفاظ دیگر بعض فعل جبلی) صرف اس طرح قائم رہتا ہے کہ اس سلسلہ مین ہر ایک فعل سے تمام موقعون مین تغیر آجاتا ہے، اور جب تک کہ یہ خاص تغیر نہین ہو جاتا، اس وقت تک دوسرا فعل شروع نہین ہوتا، مثلاً اوپر کہین ہمنے بھڑون کی ایک مثال نقل کی ہے، اس مین بھڑ کا مقصد یہ تھا کہ سوراخ کا منہ بند کر دے، اور جب تک اس نے منہ کو بند نہ کر لیا اس وقت تک اس کی فعلیت جاری رہی، لیکن اس فعلیت مین خاص خاص چیزون کا انتخاب اور انتخاب کے بعد اس کا اختیار یا ترک کرنا اس قسم کے اعمال ہین جن کی توجیہ بغیر عقل کے دشوار ہے، عقل کی مدد خاص کر ترک کرنے کی صورت زیادہ بین ہوتی ہے ایک مشاہدہ رومینس[3] نے نقل کیا ہے۔

---

[1] نفسیات تطبیقی صفحہ ۲۰۵ [2] ایضاً، [3] Romanes

"مین نے ایک دفعہ ایک سانپ کو دیکھا جس نے اپنا سر ایک تنگ سوراخ مین ڈال کر ایک مینڈک کو نگل لیا، لیکن نگلنے کے بعد وہ اپنا سر سوراخ کے باہر نہ نکال سکا، لہذا اس نے مجبور ہو کر مینڈک کو اگل دیا، اور مینڈک پھدکنے لگا، سانپ بھلا اسکو کب گوارا کر سکتا تھا، اس نے دوبارہ اس کو پکڑ لیا، لیکن پھر وہ اپنا سر باہر نہ نکال سکا، اور پھر اسکو اگلنا پڑا، اب اس نے ایک سبق حاصل کیا، اس نے مینڈک کو ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا، اور باہر لاکر اس کو نگل گیا"[1]

اس مشاہدہ مین سانپ کی تمام فعلیت کی توجیہ کس طرح کیجائیگی؟ اور خاصکر اوسکا مینڈک کو ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنا، اچنبھہ سا معلوم ہوتا ہے، اگر ہم عقل کے وجود کو فرض نہ کرین تو یہ تمام تغیر و تبدل ناقابلِ فہم ہے،

دوسرا گروہ ان ماہرین کا ہی جو کہتے ہین کہ فعل جبلی کے پہلے صدور مین عقل نہین ہوتی لیکن تجربہ کے بعد یا دوسرے موقع پر اس مین عقل کا عمل شروع ہو جاتا ہے، ان ماہرین کے نزدیک عقل کا مفہوم یہ ہے کہ "وہ تمام اعمال جو ہر فرد اپنے ذاتی گذشتہ تجربہ کی بنا پر اپنے لیے اختراع کرتا ہے"[2] عقل کی اس تعریف ہی سے ظاہر ہے کہ تجربہ کے بعد عقل ظاہر ہوتی ہی، اور جب تک "گذشتہ تجربہ" نہ ہو اس وقت تک عقل معدوم رہتی ہی، اس خاص فعل کا ہیجِ موروثی ہوتا ہی اور اس مین تمام تغیر و تبدل عقل کی وجہ سے ہوتا ہے، دوسرے الفاظ مین یہ عقل بعد مین جبلت مین شامل ہو جاتی ہے، اور اس کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے، لیکن طرفہ تماشا یہ ہی کہ ایک طرف ہاب ہاؤس عقل کے ظہور کو "گذشتہ تجربہ" پر مشروط کرتا ہے اور دوسری طرف کہتا ہے:-

"فعل جبلی کے تغیرات براہ راست تجربہ کا نتیجہ ثابت کئے جا سکتے ہین، بعض انضباطات

---

[1] "عقل حیوانی" صفحہ ۲۶۲، [2] "نفس بحالت ارتقا" مصنفہ ہاب ہاؤس صفحہ ۸۹

اس قسم کے ہوتے ہین جنکی توجیہ موروثی میلانات کے تعاون و تفاعل سے نہین ہوسکتی، اور بعض حالتین ایسی ہوتی ہین جنمین ایک فرد کے تجربہ کی وجہ سے جبلت کی بناوٹ ہی بدل جاتی ہے"[1]

مختصر یہ کہ ہاب ہاوس نے دو باتین بیان کی ہین اور دونون کا اجتماع بصورت موجودہ ناممکن معلوم ہوتا ہے، ایک طرف تو وہ کہتا ہے پہلے تجربہ کے بعد عقل کا دخل ہوتا ہو یعنی یہ کہ پہلے تجربہ مین عقل ہوتی ہی نہین، اور دوسری طرف اس کا عقیدہ ہے کہ جبلت مین تغیر آجاتا ہے اور یہ تغیر تجربہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، ہم کہتے ہین کہ یہ دونون باتین ایک جگہ نہین ہوسکتین، کیونکر؟ اس کا جواب آگے آتا ہے،

ہاب ہاوس اور اس کے ہمخیال مصنفین کے دعوون کی بنا یہ ہے کہ ایک دفعہ کے تجربہ کے بغیر نتائج یا اغراض کی پیش بینی ناممکن ہو، اور اس لیے وہ تمام فعلیت کورانہ ہوتی ہو جس کا مطلب یہ ہو کہ اس مین عقل کا عمل دخل نہین ہوتا، ایک دفعہ کے تجربہ کے بعد پھر نتائج کا علم ہوجاتا ہو اور اس لیے وہ فعل معقول ہوجاتا ہے، لیکن گزارش یہ ہے کہ "جس وقت تجربہ سے ایک سبق سیکھا جارہا تھا، اس وقت کیا ہورہا تھا؟ گزشتہ نظریہ کے مطابق عقل صرف اس وقت داخل ہوتی ہو جب اس فعل جبلی کا دوسرے موقع پر بعض تبدیلیون کے ساتھ اعادہ کیا جاتا ہو، اور یہ تبدیلیان گذشتہ تجربہ کی بنا پر ہوتی ہین لیکن فاعل اس دوسرے موقع پر سبق نہین سیکھتا، بلکہ اس سے پہلے تجربہ مین سیکھے ہوئے سبق سے فائدہ اٹھاتا ہو، اور اسکا صریح مطلب یہ ہو کہ تجربہ سے جو کچھ سبق حاصل کیا جاسکتا تھا وہ پہلے ہی موقعہ پر حاصل ہوچکا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ دوسرے موقع پر فعلیت مین تبدیلیان کرلی گئین، اگر تجربہ سے سبق حاصل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہو تو یہ پہلے ہی موجود ہوتی ہو، ورنہ یہ سبق حاصل کرنا، اور اسکی وجہ سے موقع ومحل کے مطابق تبدیلیان کرنا کچھ معنی نہین رکھتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل، سابق تجربہ کا نتیجہ ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا

[1] نفس بحالت ارتقاء مصنفہ ہاب ہاوس صفحہ ۷۹،

کہ عقل عقل کا نتیجہ ہوتی ہو"، دوسرے الفاظ مین ہم یہ ماننے پر مجبور ہین کہ اگر جبلت مین عقل ہوتی ہے (اور اس سے کسی کو انکار نہین) تو شروع ہی سے یہ گذشتہ تجربہ کا نتیجہ نہین ہوتی، اور چونکہ اس عقلی تصرف سے فعل جبلی کی نوعیت مین کسی قسم کا فرق نہین آتا اس لیے ان افعال کو جن مین عقل کا دخل ہوچکا ہو، افعال جبلی کی فہرست سے خارج نہین کیا جاسکتا،

جیمس لکھتا ہے:-

"ہر ایسے حیوان مین جس مین حافظہ ہوتا ہو، ہر ایک فعل جبلی "کورانہ" نہین ہوتا، بلکہ لازمی ہے کہ اس کے ساتھ "انجام" کا علم ہو...... ایک کیڑا ایسی جگہ انڈے دیتا ہے جہان وہ اپنے بچون کو دیکھ نہین سکتا، اس کا یہ فعل ہمیشہ "کورانہ ہوگا" لیکن ایک مرغی کے متعلق یہ فرض نہین کیا جاسکتا کہ وہ ایک دفعہ انڈون پر بیٹھنے کے بعد دوسری دفعہ انجام سے ناواقف ہوکر انڈون کو دباکر بیٹھیگی، اس موقع پر اسکو نتیجہ کا علم لازمی ہے"[2]

جیمس کا یہ فقرہ جبلت کے متعلق ایک ایسے سوال کا جواب ہے جس مین بھی ماہرین کا اختلاف ہے، سوال یہ ہو کہ کیا فعل جبلی مین انجام یا غایت کا علم ہوتا ہو؟ یہ تمام فعلیت کورانہ ہوتی ہے؟ جیمس کے مندرجہ بالا فقرہ سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ فعل جبلی کے پہلے صدور مین یہ فعلیت بالکل کورانہ ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اعادہ کی صورت مین انجام یا غایت کا علم موجود ہوتا ہے، اور یہ علم صرف تجربہ کی بنا پر ہوتا ہے، اسی لیے جیمس نے حافظہ کی شرط لگائی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ بغیر حافظہ کے یہ علم کسی صورت مین بھی ممکن نہین، خواہ اسی فعل کا ہزارون مرتبہ اعادہ کیا جائے، دوسرے الفاظ مین جیمس کے نزدیک افعال جبلی مین انجام کا علم ہوتا ہے، لیکن یہ نتیجہ ہوتا ہے تجربہ کا، اسی واسطے تجربہ سے قبل یہ علم مفقود ہوتا ہے، پروفیسر ٹچنر (Titchener) بھی جیمس کے ہمخیال ہے، لیکن اس نے اس

[1] مینوئل آف سائیکالوجی مصنفہ اسٹاوٹ صفحہ ۳۵۰، [2] ٹکیسٹ بک آف سائیکالوجی صفحہ ۳۹۵،

اس مسئلہ پر دوسرے طریقہ سے بحث کی ہے، اور اصلیت یہ ہے کہ جبلت پر اس کی تمام بحث ہی عجیب و غریب ہے، اور اس قابل ہے کہ اوسکا بغور مطالعہ کیا جائے، اس نے جبلت پر بحث نہین کی بلکہ جبلی افعال پر، کیونکہ اس کے نزدیک "جبلت"، "جبلی حرکات" اور "جبلی افعال" تینون مختلف چیزین ہین، اسکا خیال ہے کہ جبلت بلحاظ شکل و صورت کے ہیجان (emotion) سے مختلف نہین، اور انکی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے جبلی حرکت ہوتی ہے، اس کے بعد جبلت اور سب سے آخر مین فعل جبلی چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"یہ یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ "جبلت" حرکت جبلی کے بعد ظاہر ہوتی ہے، فعل ہیجانی [illegible] کے لیے ہیجان[1] لازمی ہے، اس کے برخلاف پہلے جبلی حرکات مین شعوری شرط نہین ہوتی، یا دوسرے الفاظ مین "جبلت" نہین ہوتی، جبلت اُس وقت ظاہر ہوتی ہے، جب ہم کو جبلی حرکات کا تجربہ حاصل ہو چکا ہو، اور اس کے بعد "جبلی فعل" ظاہر ہوتا ہے"[2]

اس سے پہلے ایک موقع پر وہ لکھتا ہے:

"ایک حقیقی جبلی حرکت مین کوئی شعور شرط نہین ہوتی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب ایک جبلی حرکت کا چند بار اعادہ کیا جائے تو ہر اعادہ کا ایک معین مقدمہ ہوگا، حضرت انسان کی جبلی حرکات کی، جب وہ اس کے سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد ظاہر ہون ہمیشہ ایک شعوری شرط

[1] پروفیسر تیچنر کا خیال ہے کہ ہر ہیجانی فعل کیلئے لازمی ہے کہ شے، حرکت اور انجام حرکت کے تصورات کیطرف توجہ کیجائے، اس توجہ کے بغیر کوئی فعل ہیجانی صادر نہین ہوتا، اس توجہ کو وہ "شعوری شرط" بھی کہتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ فرض کرو کہ مین بھوکا ہون اور سامنے خوراک دیکھ رہا ہون، مین اسکی توجہ کرتا ہون اور اسی وقت اس خوراک کیطرف حرکات کا تصور بھی ہوتا ہے، اور تیسرا خیال اس حرکت کے انجام کا ہوتا ہے، ان تینون تصورات کی وجہ سے وہ فعل صادر ہوتا ہے، دوسرے الفاظ مین یہ تینون تصورات اس فعل کیطرف ہیجان پیدا کرتے ہین، اسکے علاوہ ان حرکات کے ساتھ ہی ساتھ خوشگواری یا ناگواری کا احساس بھی ہوتا ہے، اس کو وہ "شعوری مستلزمات" کہتا ہے، گویا ہر فعل ہیجانی مین "شعوری شرط" اور "شعوری مستلزمات" دونون موجود ہوتے ہین، [2] آوٹ لائن آف سائیکالوجی مصنفہ تیچنر صفحہ ٢٦٥،

ہوتی ہے، جو شے، حرکت اور انجام حرکت پر مشتمل ہوتی ہے، اس موقع پر یہ جبلی حرکت فعل جبلی کی شکل اختیار کر لیتی ہے"[1]

لیکن اس کا یہ مطلب نہین کہ افعال جبلی صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہین، بلکہ تیچنر کا خیال ہے کہ جانورون کے افعال بھی جبلی ہو سکتے ہین، مندرجہ بالا الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ افعال جبلی مین غایت یا انجام کا علم نہین ہوتا، اس کو تیچنر "جبلی حرکت" کہتا ہے اور علم ہونے کے بعد اسی کو "فعل جبلی" کے نام سے موسوم کرتا ہے، اور جیمس دونون کو "فعل جبلی" کہتا ہے، ورنہ باقی تمام باتون مین دونون متفق ہین، پروفیسر میکڈوگل کے نزدیک

"ادنی جانورون اور بہت چھوٹے بچون کے جبلی افعال کورانہ ہوتے ہین، لیکن اعلیٰ جانورون مین ان تمام جبلی افعال کی غایت قریبہ کی پیش بینی ہوتی ہے، جنکی متعدد بار تکرار ہو چکی ہو مثلاً اس کتے کے، جو بہت سے شکار کر چکا ہو، تمام افعال جبلی ہی کہلائینگے، لیکن اس مین شک نہین ہو سکتا کہ وہ اپنی فعلیت کی غایت سے واقف ہے"[2]

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ **میکڈوگل** بھی پہلے موقع پر غایت کے علم کا قائل نہین،

اب اگر جیمس اور تیچنر سے سوال کیا جائے کہ اگر اس جانور کے سامنے پہلے موقع پر کوئی غایت نہین ہوتی تو آخر اس فعل کی علت کیا ہے؟ کون سے محرکات ہوتے ہین جنکی وجہ سے وہ فعل سرزد ہوتا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ پہلی دفعہ مرغی انڈون جیسی "غیر دلچسپ اور بظاہر غیر متعلق چیز کو دبا کر بیٹھتی ہے؟ اس کا جواب وہ تو یہ دینگے کہ مرغی کا نظام اعصاب ہی اسطرح واقع ہوا ہے کہ وہ ایسا کرے، اس فعل کا محرک ان کے نزدیک عضویاتی تغیرات ہین نہ کہ کسی خاص غایت کا علم، ان کی اور ان کے ہمخیالون کی طرف سے اس قسم کا جواب غیر متوقع نہین، کیونکہ وہ جبلت کو حیاتیات پر مبنی کرتے ہین، لیکن ڈاکٹر میکڈوگل کے پاس اس کا کوئی تشفی بخش

[1] آوٹ لائن آف سائیکالوجی مصنفہ تیچنر صفحہ ٢٦٣، [2] نفسیات عمرانی صفحہ ٣١ حاشیہ

جواب نہین، وہ عضویاتی تغیرات کو اس فعل کی علت قرار نہین دیسکتا، کیونکہ یہ اس کی تعریف کے منافی ہی؛ اگرچہ اس کا دعوٰی ہی کہ اس کی تعریف سے یہ بات کسی طرح بھی لازم نہین آتی کہ افعال جبلی کورانہ ہوتے ہین[1] لیکن اس نے اپنے مفہوم کو کہین صاف اور غیر مبہم الفاظ مین بیان نہین کیا، غرض کہ اس مسئلہ مین بھی ماہرین کا شروع ہی سے اختلاف رہا ہی اور ہر ایکنے اپنی مرضی کے مطابق اس کی توجیہ کی ہی؛

ہمارے نزدیک اس بحث کو شروع کرنے سے قبل بہتر ہوگا کہ "غایت یا انجام" کے مفہوم کو واضح کرلیا جائے، اس کے بعد پھر اس بحث مین کسی قسم کی دقت واقع نہ ہوگی؛ "غایت" سے مراد ایک تو یہ ہوسکتی کہ تمام فعلیت کی غایت، اور ایک مفہوم اس کا یہ ہوسکتا ہی کہ اس فعل کے مختلف اجزار کی انفرادی غایات ان کو علی الترتیب "غایت بعیدہ" اور "غایت قریبہ" کہا جاسکتا ہی۔ "غایت لبعیدہ" کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ غایت قریبہ بھی مجہول ہے، اگر ایک پرندہ کے دل مین گھونسلا بناتے وقت اپنے انڈون اور بچون کی حفاظت کا خیال نہ ہو، تو اس سے یہ فرض نہین کیا جاسکتا کہ اس کو اپنی فعلیت کی غایت قریبہ کا بھی علم نہین جیمس اور اس کے ہمخیال مصنفین غایت کے علم کے لیے تکرار کی شرط صرف اس وجہ سے لگاتے ہین کہ گذشتہ تجربہ سے اس فعلیت کی غایت ان کے سامنے آجاتی ہے، اور اس طرح ان کو اس کا علم ہوجاتا ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہی کہ پہلے ہی موقعہ پر انکو یہ علم ہوتا ہے، اب بحث صرف اس قدر ہے تجربہ کے بغیر غایت قریبہ کا علم ہوسکتا ہے یا نہین، کیونکہ اسی غایت کے علم پر تمام فعلیت کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار ہوتا ہے،

ہم پہلے کہ چکے ہین کہ فعل جبلی مین توجہ کی تمام ظاہری خصوصیات ہوتی ہین، اس مین بہت سے احضارات کے مجموعہ مین سے خاص قسم کے احضارات کا انتخاب کیا جاتا ہے، اور ان احضارات مین تغیر و تبدل کا انتظار ہوتا ہے، اور اسی کے مطابق تمام فعلیت حرکی کا انضباط کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ

[1] نفسیات عمرانی صفحہ ۳۱ حاشیہ،

اس مین کامیابی یا ناکامی کا احساس بھی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے "ثبات قدم باختلاف مساعی" ممکن ہوتی ہی؛ ان تمام خصوصیات پر غور کرنے ہی سے معلوم ہوجاتا ہی کہ پہلے موقع پر ہی اس جانور کے افعال کورانہ نہین ہوتے، کوئی نہ کوئی غایت اس کے پیش نظر ہوتی ہے، اور اسی غایت کے مطابق اس کی فعلیت کی تشکیل ہوتی ہی،

توجہ انتخابی اور انتظاری ہی کو لیکر اگر غور کیا جائے، تو صاف نظر آجاتا ہے کہ بغیر غایت کے علم کے ان کا امکان ہی نہین ہوسکتا، توجہ انتخابی کا انحصار، دلچسپی پر ہوا کرتا ہے، اسی کی وجہ سے ایک مجموعۂ احضارات مین سے خاص خاص چیزونکا انتخاب ہوتا ہے گرد وپیش کی تمام اشیار مین بلی چوہے کو کیون منتخب کرتی ہے؟ یا مرغی تمام اشیار مین سے دانون کی طرف کیون متوجہ ہوتی ہے؟ صرف دلچسپی کی وجہ سے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ دلچسپی خلقی ہوتی ہے۔ بلی اور مرغی کی خلقت مین ہے کہ انکو علی الترتیب چوہے اور دانون سے دلچسپی ہو، یہ دلچسپی ایک جبلی ہیجان ہوتا ہے جس کے ساتھ حیثیت حسی اور کیفیت جذبی شامل ہوتی ہین، اب سوال یہ ہے کہ اس ہیجان مین ابتدائً ان معنون مین ارادہ ہوتا ہے یا نہین، کہ اسکی کوئی غایت ہو اس کا جواب منحصر ہے "توجہ انتظاری" کی نوعیت اور اسکی شرائط پر، اگر یہ انتظار ایک معین اور مخصوص چیز کا ہے جو صرف گذشتہ تجربون سے معلوم ہوسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ گذشتہ تجربون کے بغیر یہ ہیجان کورانہ ہوتا ہے لیکن بات یہ ہی کہ ہم کسی صورت بھی اسکو تسلیم نہین کرسکتے، ہمارے نفس کی حالت انتظاری کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم اس خاص موقع مین تغیرات کے منتظر ہین، ہوسکتا ہے کہ ان تغیرات کو ہم متعین نہ کرسکین کہ یہ کس قسم کے ہونگے، لیکن اصلیت یہ ہی کہ یہ بالکل غیر معین نہین ہوتے، کیونکہ ان کا تعلق ایک خاص موقع، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ایک خاص موقع کے منتخب حصون سے ہوتا ہے، غیر معین اور غیر واضح ان کو صرف ان معنون مین کہا جاسکتا ہے کہ وہ جانور اس کو ٹھیک ٹھیک معلوم نہین کرسکتے، لیکن اگر یہ مان لین کہ وہ اس موقع کو تغیر پذیر سمجھتے ہین تو ہماری مشکل حل ہوجاتی ہے کیونکہ یہی تغیر پذیری

اس کو متغیر کرنے کے ارادہ کے باعث ہوتی ہے، اور اس ارادہ کی کوئی نہ کوئی غایت ہوتی ہے، یا دوسرے الفاظ مین اس موقع کو اس طرح بدلا جاسکتا ہے کہ اس ہیجان کی تسکین ہوجائے، ان باتون سے ظاہر ہے کہ فعل جبلی کے پہلے صدور پر بھی ایک ارادہ ہوتا ہے (یہ کتنا ہی ابتدائی کیون نہ ہو) جسکی کوئی نہ کوئی غایت ہوتی ہے، اور یہ غایت اس قسم کی ہوتی ہے جسکا علم صرف اس جانور کو ہوسکتا ہے، یہ سچ ہے کہ اس جانور کو اس غایت کے حاصل کرنے کے وسائل یا اُس کی آخری شکل کا علم نہین ہوتا، گذشتہ تجربات صرف ان کو معلوم کرانے مین مدد کرتے ہین ورنہ غایت کا علم شروع ہی سے ہوتا ہے،

اس کے علاوہ بغیر غایت کے علم "ثبات قدم باختلاف مساعی" مہمل مجموعۂ الفاظ ہے، اگر اس تمام فعلیت کا کوئی معلومہ نتیجہ یا غایت نہین تو اس اختلاف مساعی کے کیا معنی ہین؟ اور یہ اختلاف مساعی ایک ایسی خصوصیت ہے جو فعل جبلی کے پہلے صدور پر بھی موجود ہوتی ہے، جبلی ہیجان کی تسکین کے لیے محسوس نتائج لازمی ہین، ان نتائج کو آہستہ آہستہ حاصل کرنے کی کوشش کیجاتی ہے، اور جب کبھی ایک طریقہ اس خاص نتیجہ کو حاصل کرنے مین ناکام رہتا ہے، تو اس کو ترک کرکے دوسرا طریقہ اختیار کرلیا جاتا ہے، اور اسی کو لائڈ مارگن نے "ثبات قدم باختلاف مساعی" کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے کسی نہ کسی غایت کا وجود لازمی ہے، جب تک کہ یہ غایت حاصل نہین ہوجاتی اس وقت تک طریق کار مین تغیر ہوتا رہتا ہے، دوسرے الفاظ مین غایت کے علم کے بغیر اختلاف مساعی مہمل ہے، مسٹر اور مسز پیکہم کا مشاہدہ ہے :-

"ایک خاص بھڑ نے ایک سوراخ مین اپنا شکار رکھا تھا، اور وہ اس کو باہر نکالنا چاہتی تھی، لیکن یہ کام اس کے لیے آسان نہ تھا، اس نے ہر طرح کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئی، آخرکار، اس کو خیال آیا کہ اسی نتیجہ کو ایک اور طریقہ سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اور اُس نے فوراً زمین کاٹنی شروع کردی، اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے اس شکار

کو باہر کھینچا اور وہ باہر آگیا"[1]

بھڑ کی اس تمام فعلیت کی توجیہ صرف غایت کے علم کی مدد سے ہوسکتی ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کی تمام کوششین اور پھر ناکامی کی صورت مین ان مین اختلاف بالکل ناقابل فہم ہین،

ان تمام تجربون اور مشاہدون سے معلوم ہوتا ہے کہ جانورون کے افعال جبلی کورانہ نہین ہوتے ان سب مین کوئی نہ کوئی معلومہ غایت ہوتی ہے، اور اسی کے مطابق اس کی تشکیل و تدوین ہوتی ہے،

گذشتہ صفحات مین ہم نے جبلت پر مفصل بحث کی، لیکن اس بحث مین کہین انسانی جبلتون کا ذکر تک نہین آیا، پہلا مختلف فیہ مسئلہ تو یہ ہے کہ انسان مین جبلت ہوتی بھی ہے کہ نہین، اور اگر ہوتی ہے تو کیا تعداد مین اتنی ہی ہوتی ہین جتنی کہ اور حیوانون مین؟ ان کا سوسائٹی کی تشکیل مین کیا اثر پڑتا ہے؟ یہ تمام سوالات انسانون کی جبلتون کے متعلق ہین، یہ مضمون خلاف امید پہلے ہی بہت طویل ہوگیا اب مزید طوالت کے خوف سے ان تمام مسائل کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، اگلی صحبت مین انشاء اللہ ان کے متعلق بھی اسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ،

[1] منقول از "نفس بحالت ارتقاء" مصنفہ ہابہاؤس صفحہ ۹۱

تلخیص و تبصرہ

مسلمانانِ جاوہ

جاوہ کے جدید الشیوع عربی رسالہ "الذخیرۃ الاسلامیۃ" مین (ربیع الثانی وجمادی الاول ۱۳۴۲ھ)
ایک جدید تعلیم یافتہ جاوی عرب سید اسمٰعیل عطاس کا مضمون عنوانِ بالا سے شایع ہوا ہے، سید مذکور نے یہ مضمون ملکۂ
ہالینڈ کے جشن جوبلی کی تقریب مین ڈچ زبان مین لکھا تھا، اور اب خود انھون نے اوس کا ترجمہ
عربی مین کیا ہے، چونکہ اس ملک کے مسلمانون کے حالات بہت کم معلوم ہوتے ہین، اس لیے اُردو مین اس کے
منتقل کرنے کی ضرورت ہے، سید عطاس لکھتے ہین،

ٹھیک طور پر یہ نہین معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے مشرقی جزائر مین عرب اوّل اوّل کب آئے؟ اور ان
مین کب سے اُن کے تجارتی تعلقات شروع ہوئے؟ لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ لوگ آٹھوین صدی عیسوی کے
وسط مین پرتگالیون سے جنکا زمانہ باشندگانِ ہالینڈ سے مقدم ہے، پہلے ان جزائر مین آئے،

بہت سے عرب تاجرون نے شہر کانتون مین قیام کیا، اور چونکہ عرب کو دسوین صدی عیسوی سے
پندرھوین صدی عیسوی تک مشرق مین اقتدار حاصل رہا، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جزائر مین انکی آمد
ورفت اور اونکی تجارت کی ابتدا، نہایت قدیم زمانہ سے ہوئی،

نوین صدی عیسوی سے پہلے عرب کے کسی جغرافیہ نویس نے ان جزائر کا ذکر نہین کیا، سترھوین
صدی عیسوی کی ابتدا سے جو عرب ان ممالک مین ہجرت کرکے آئے ان مین زیادہ تر حضرمی عرب تھے، جنھون نے
اپنی فطری ذہانت اور پیغمبر اسلام کے ہم قوم یعنی عرب ہونے کی حیثیت سے ان ملکون مین بڑا اثر قائم کرلیا،

اور ان مین بہت سے لوگون نے حکومت ہالینڈ کی عظیم الشان خدمتین انجام دین،

سنہ ۱۸۲۰ع اور سنہ ۱۸۲۶ع کے درمیان حکومت ہالینڈ نے سید حسن بن عمر الحبشی کو شاہ سیام، سلطان برونی، امرائے
بالی اور امرائے سوراکرتا کی خدمت مین چند اہم امور پر تبادلۂ خیالات (مخابرات) کے لیے روانہ کیا، چونکہ ان اطراف
مین سید موصوف کا بڑا اثر واقتدار تھا، اس لیے حکومت نے سیاسی مہمات مین کامیابی حاصل کرنے کے لیے اُن سے
کام لیا، سنہ ۱۸۲۲ع مین سید موصوف نے ایک اہم یادداشت ہالینڈ کی ہندوستانی حکومت کے گورنر جنرل کی خدمت
مین پیش کی جس مین وہ کامیاب ذرائع بتائے جن سے بحری ڈاکو نکا قلع وقمع کیا جاسکتا ہے، سنہ ۱۸۳۲ع مین حکومت
نے ان کو (فنغیران) کا خطاب دیا جو شرفائے جاوہ کا سب سے بڑا خطاب ہے، اسی طرح انکی فضیلت کے اعتراف مین
مبلغ ۴۸۰۰ سالانہ کا وظیفہ بھی عطا فرمایا،

جنگ اچی مین جن لوگون نے حکومت ہالینڈ کی خدمت کی ان مین سید ابوبکر عیدید بھی ہین جو تبادی مین
عرب کے سردار تھے، انھون نے بھی سنہ ۱۸۸۳ع مین "مایور" کا خطاب حاصل کیا اور اس کے چند سال کے بعد اپنی خدمات
کے صلے مین فنغیران کا خطاب بھی پایا،

زمانۂ قدیم سے آج تک جزائر ہند مین اہل عرب کی معاش کا اہم ذریعہ تجارت ہے، اونکی دولت وثروت
کا ایک ذریعہ بحری وتجارتی جہازرانی بھی تھی اور تمام بحری سفرون کی باگ انھی کے ہاتھ مین تھی، اور صرف انھی
مین سے ناخدہ یعنی کپتان، نائب کپتان اور مہتمم سامان تجارت (مدیر البضاعۃ) ہوتے تھے ان تین عہدون کے
علاوہ اور باقی عہدہ دار ملکی باشندے ہوتے تھے، انیسوین صدی کی ابتدا مین بھی بحری جہاز عرب کی دولتمندی
اور خوشحالی کا سب سے بڑا سبب تھے، یہ جہاز سنہ ۱۸۴۵ع اور سنہ ۱۸۵۵ع کے درمیان اخیری قوت مین انتہائی درجہ کو پہنچ
گئے تھے، لیکن اسی وقت سے ان سمندرون مین دخانی جہازون کے مقابلہ وکشمکش سے ان کے جہازات اپنے
قدم پیچھے ہٹانے لگے،

عربی جہازات کی کثرت کے جاننے کے لیے یہ بیان کردینا مناسب ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ع مین یعنی عین اس وقت

جبکہ اہل عرب کو شکست ہو رہی تھی ۵، عربی جہازات باقی تھے، اور اب صرف انکی چند درد انگیز یادگارین اُن
بوڑھون کے دماغ مین باقی رہگئی ہین، جو اب نہایت معمولی زندگی بسر کر رہے ہین، حالانکہ اس سے پہلے وہ
ریاست کے اسٹیج اور شرف و خوشحالی کی چوٹی پر نظر آتے تھے، یوروپین لوگون اور ملکی باشندون کے درمیان
اہل عرب تجارتی لین دین کا ایک اہم ذریعہ ہین، اگرچہ اس معاملہ مین اونکا درجہ چینیون سے کم ہے، یہ لوگ
زیادہ تر کپڑون بالخصوص **باتیک** یعنی رنگین تہبندون کی تجارت کرتے ہین، اور تہبندون کے اکثر
کارخانے یا تو ان کے قبضے مین ہین یا اُن کے سرمایہ سے چلتے ہین، اور بہت سے عرب اس کے ذریعے
دولتمند ہوگئے ہین، اخیر سالون مین ان عربون نے جنھون نے یورپ مین تعلیم پائی تھی یہ کوشش کی کہ تجارتی
سامان براہ راست یورپ، امریکہ اور اسٹریلیا سے منگائے جائین، لیکن ۱۹۲۰ء مین قیمتون کے گر جانے سے
انکی یہ کوشش پوری طور پر کامیاب نہین ہوئی، اہل عرب مین بہت سے لوگ بڑے بڑے شہرون اور دیہاتون
مین وسیع زمینون اور بڑے بڑے مکانون کے بھی مالک ہین، اور اب میونسپلٹی نے ان سے ان وسیع زمینون
کو خریدنا شروع کردیا ہے، لیکن ان تمام باتون کے ساتھ ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہل عرب
مین ایسے لوگ بھی موجود ہین جو سود کے ذریعہ سے دولت حاصل کر رہے ہین،

ان ملکون مین عرب کی تمدنی حالت کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ مین
ہم ان کی ان تقسیمات کا ذکر کردین جو حضر موت مین پائی جاتی ہین، کیونکہ یہ لوگ بہت سی قسمون
مین منقسم ہین، جن مین اہم قسمیں یہ ہین

(۱) **سادات**، یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی
اولاد مین ہین، اور آل شیخ ابوبکر کے سوا یہ لوگ ہتھیار نہین اٹھاتے، یہ لوگ نہایت بلند رتبہ اور ذی
اثر ہین، اور ان کا کام دو متحارب فرقون مین صلح کرادینا ہے، اور اسی طرح مذہبی تعلیم بھی انھی کے فرائض
مین داخل ہے،

۲- **قبائل**، یہ لوگ سپاہی ہین، اور باہم ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے ہین،

۳- **ضعفاء** یعنی کاشتکار اور کاریگر،

۴- **غلام**، جن مین نسب و خاندان کے لحاظ سے اکثر لوگ افریقی ہین،

حضرمی قبیلہ کی لڑکیان ان لوگون سے شادی نہین کرتین، جو ان سے پست درجہ ہین، ہالینڈ
کے ہندوستانی جزائر مین اگرچہ حضرمی قبیلہ کے لوگ اخیر کی تینون قسمون مین اپنے آپ کو داخل نہین کرتے،
بلکہ ان مین اکثر لوگ سید، شیخ اور سادہ کے لقب سے مشہور ہین، اور عرب اور ملکی باشندے دونون کے دونون
ان کا احترام کرتے ہین، تاہم یہ رواج ان جزائر مین بھی ہے، اس سلسلے مین ہاتھ سونگھنے کی رسم کا تذکرہ بھی ضروری
معلوم ہوتا ہے جو اس شدت سے جاری ہے کہ ایک معمر دولتمند بڈھا بھی ایک کمسن، محتاج سید کا ہاتھ سونگھتا ہے،
لیکن جو لوگ مساوات کے خواستگار ہین انکی کوشش سے یہ رسم مٹنے لگی ہے، جس شخص نے ان لوگون کو اس
طرف توجہ دلائی، وہ ایک عالم تھا جو افریقہ مین پیدا ہوا تھا، مکہ مین تعلیم پائی تھی، اور یہان سادات کی دعوت
پر ۱۹۱۱ء مین مذہبی تعلیم کا استاد ہوکر آیا تھا اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ ایک شریف عورت غیر سید سے بھی شادی
کرسکتی ہے جسکی وجہ سے اہل عرب مین نزاعین قائم ہوگئین، اور ان نزاعون کا خاتمہ اس وقت تک نہ ہوسکا
جبتک تجارتی سرد بازاری نہ ہوگئی، ان نزاعون کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۴ء مین عربی جمعیت اصلاح الارشاد و
قائم ہوئی اور ۱۹۱۵ء مین اوسکی طرف سے پہلا مدرسہ بتاوی مین کھولا گیا،

آج سے ۲۵ سال پہلے عرب کے لڑکون کی تعلیم نہایت ابتر حالت مین تھی، لیکن موجودہ حالت
مین انھون نے تعلیم کا معیار بلند کردیا ہے، اور اس کا ایک نظام قائم کرلیا ہے، اور اسی وقت سے انجمنین قائم
ہونے لگی ہین، جن مین ہمارے خیال مین سب سے پہلی انجمن جمعیتہ الخیر ہے جو ۱۹۰۳ء مین باہمی امداد کے لیے
قائم کی گئی اس کے بعد ۱۹۰۵ء مین اس انجمن کی طرف سے پہلا مدرسہ کھولا گیا، اور اب سردست
جاوہ مین ۱۴ عربی مدرسے موجود ہین،

۱۹۱۹ء مین ایک عرب نے یہ کوشش کی کہ جسطرح چینیون کے لڑکون کے لیے چینی ہالینڈی مدارس قائم ہین اسی طرح عربون کے لڑکون کے لیے عربی ہالینڈی مدارس قائم کیے جائین، حکومت نے بھی ان مدارس کے قیام کی طرف اس شرط پر اپنا میلان ظاہر کیا کہ اہل عرب ان کی طرف اپنا میلان ظاہر کرین اور اپنے لڑکون کو اُن مین تعلیم کے لیے بھیجین، لیکن عرب کی نااتفاقی سے یہ مدارس قائم نہ ہوسکے اور اسی اختلاف سے وہ کوشش بھی ناکام رہی جس کے ذریعہ سے ایک ایسا عربی اتحاد قائم کیا جارہا تھا، جو مدارس عربیہ کی تعلیم کا ایک متحدہ پروگرام بنانا چاہتا تھا،

چونکہ یہ تمام پارٹیان اپنے اظہار مافی الضمیر کے لیے مختلف ارگنون کی ضرورت محسوس کررہی تھین اسلیے انھون نے سب سے پہلے ان ملائی اخبارون سے یہ کام لیا جو چینیون کے زیر اثر تھے، اس کے بعد خود انھون نے عربی زبان مین اخبارات نکالے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ چونکہ اہل عرب نے انکی طرف توجہ نہین کی، اور انکو مالی امداد نہین دی، اس لیے یہ اخبارات بہت دنون تک زندہ نہ رہ سکے اور یکے بعد دیگرے بند ہوتے گئے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہر زمانے مین نئے نئے اخبارات جاری ہونے لگے اور اس وقت جو اخبارات موجود ہین ان مین ویلٹفریدن سے اخبار بور و بود ورادر سرابایا سے اخبار القسطاس نکل رہا ہے، (اور اس مضمون کے لکھنے کے بعد یہ رسالہ ذخیرۂ اسلامیہ جس مین ہم یہ مضمون لکھ رہے ہین نکلا لیکن یہ خالص مذہبی رسالہ ہے، پارٹیون سے اس کو کوئی تعلق نہین)

حضرموت اور ان جزائر مین آمد و رفت کے ذرائع جس قدر آسان ہوتے جاتے ہین، اور عربونکی نسل مین جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے، اسی قدر جاوہ مین حضرمی عربون کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ۱۸۵۹ء سے پہلے مشرقی جزائر ہند مین عربونکی کوئی مردم شماری نہین تھی، اور اب سرکاری مردم شماری کے مطابق اہل عرب کی تعداد یہ ہے،

سنہ	جاوہ اور مادورہ	دوسرے جزائر	مجموعی تعداد
۱۸۵۹	۴۹۹۲	نامعلوم	نامعلوم
۱۸۷۰	۷۴۹۵	نامعلوم	نامعلوم
۱۸۸۵	۱۰۸۸۸	"	"
۱۹۰۵	۱۹۱۴۸	۱۰۳۴۰	۲۹۵۰۰
۱۹۲۰	۲۷۸۰۶	۱۷۱۱۵	۴۴۹۲۱

باوجودیکہ قوانین مہاجرت کے نفاذ مین اہل عرب پر سختی کیجارہی ہے، تاہم گذشتہ مردم شماریون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور انکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس زمانے مین انکی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے، مثلاً ۱۹۱۶ء سے پہلے انکو بعض مقامات مین بغیر اجازت خاص کے سکونت کا حق حاصل نہ تھا لیکن حکومت نے ۱۹۱۶ء مین جزئی، اور ۱۹۱۹ء مین کُلّی طور پر اس قانون کو منسوخ کردیا جس کے رو سے اہل عرب صرف خاص خاص مقامات مین آباد ہوسکتے تھے، اسی طرح انکو اندرون ملک مین سفر کرنے کے لیے پروانۂ راہداری کے حاصل کرنے کی جو ضرورت ہوتی تھی، اس سے بھی انکو مستثنیٰ کردیا،

حضرموت مین آزادی اور امن صرف سادات کے لیے مخصوص ہے، لیکن ان ملکون مین تمام حضرمی یعنی سادات، مشائخ، قبائل اور ضعفا رسب کے سب اس نعمت سے بہرہ اندوز ہین، اس بنا پر انکو ملکۂ ولہلمینا اور اسکی عادل حکومت کا شکر گذار ہونا چاہئے، اور ہم حال سے زیادہ مستقبل مین بھلائی کے متوقع ہین،

بوس انسٹیٹیوٹ

کلکتہ کا بوس ریسرچ انسٹیٹیوٹ، جسے سر جگدیش بوس نے قائم کیا ہے، یو دون کے متعلق اپنی تحقیقات کے لیے بہت کچھ شہرت حاصل کرچکا ہے، اس وقت سر بوس، یورپ کے مختلف ممالک مین اپنی علمی تحقیقات پر تقریرین کررہے ہین، وہان سے آئی ہوئی خبرون سے معلوم ہوتا ہے کہ امپیریل کالج آف سائنس مین انھون نے جو تقریر کی تھی وہ بہت کامیاب ثابت ہوئی ہے ٹائمس نے اپنے تعلیمی ضمیمہ مین اس انسٹیٹیوٹ کا ان الفاظ مین ذکر کیا ہے:-

سر جگدیش بوس، اپنی گذشتہ سیاحتِ یورپ کے زمانہ (۱۹۱۹ء) مین رائل سوسائٹی کے فیلو (رفیق) منتخب ہوئے تھے، پیرس کے ممتاز عالمون نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور دائنا و برلن نے بھی انکی خدمات کو نظرِ استحسان دیکھا، مشہور ماہرِ حیاتیات ہبرلینڈ نے کہا کہ "یہ صرف ایک اتفاقی حقیقت نہین ہے کہ ہندوستان کے ایک باشندہ نے حیاتیات کے متعلق اس قدر وقیع اضافہ کیا ہے، بلکہ یہ وہی قدیم روح ہے جس نے الٰہیات کو سرحدِ ادراک سے بعید تر کر دیا تھا، اور اب وہی موجودہ دور مطالعہ و مکاشفہ مین اشیاء کی حقیقت کے تجربہ و دریافت کی شکل مین رونما ہوئی ہے"

آج سے چھ سال قبل بوس انسٹیٹوٹ کا علمی تجربات کے لیے قیام، ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم واقعہ ہے، کیونکہ اسکی بنیاد ایسے اصولون پر رکھی گئی ہے، جسکا نتیجہ علم کی یقینی ترقی ہے، اس کے بانی نے کہا تھا کہ ایک سائنس دان آرام و سکون کی زندگی بسر نہین کر سکتا اور نہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اسکی مساعی ضرور کامیاب ہونگی، اس کیلیے جس قوتِ عمل کی ضرورت ہے وہ ذاتی مفاد کا نتیجہ نہین ہو سکتی بلکہ یہ ایک بڑی اندرونی دعوت ہے، جسکو لبیک کہتے ہوئے عالم اپنی زندگی نثار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، یہ دعوت، طلب علم کے ذوقِ خالص کا لازمہ ہے،

سر جگدیش نے اعلان کیا ہے کہ اس تجربہ گاہ کا دامن تنگ اپنی وسعت بھر تمام عالم کے سچے طالبانِ حقیقت کو اپنی آغوش مین لینے کے لیے تیار ہے، ہندوستان کی علمی روح کی فطرت ہے کہ بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیے حصول علوم کے راستہ مین ذاتی مفاد کا روڑا اٹکانا نہین چاہیے، اس کی وسعت علم سے عورت و مرد ہر وقت و ہر ملک مین مستفید ہونگے، یہان کی تحقیقات عوام کی ملکیت ہوگی، یہ اصول ہمیشہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے، اور یہی سبب ہے کہ بعض مخیر حضرات کے عطیات کے جو چند شرائط کے ساتھ عطا کیے جانے والے تھے، حصول کا اس کو شرف حاصل نہین ہو سکا ہے،

بوس انسٹیٹوٹ کی تعلیمات، دوسرے کالجون سے مختلف ہین، موخر الذکر مین اساتذہ کی ایک محدود

جماعت طلباء کی کثیر تعداد کو معلوم و دریافت شدہ حقائق سے آگاہ کر دیتی ہے، ایک محقق صادق کے بنانے مین سخت دشواریون کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تب کہین جا کر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اپنی تحقیقات سے دنیا کے علمی خزانہ کو مالا مال کرے، اس کے لیے بیدار مغز، اعلیٰ اخلاق اور بلند تر ذہانت کی ضرورت ہے، اس وقت خود بانی کے ماتحت ایک درجن ایسے اشخاص تربیت پا رہے ہین، ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کو دنیا کے تمام علائق سے آزاد کر کے صرف اسی کے ہو رہین، کیونکہ قدیم ہندوستانی تعلیم کے مطابق **سر بوس** کا خیال ہے کہ صداقت و حقیقت کا انسان کو اسی وقت علم ہوتا ہے، جبکہ وہ اور اس کا دماغ سکون طمانیت کی منزل تک پہنچ جاتا ہے، کلکتہ کی گذشتہ چار پانچ سالہ پر ہیجان فضا نے انکی آزمائش کا بہترین موقع پیش کر دیا تھا اور وہ اس مین کامیاب ہوئے ہین، طلباء کو وظائف دیے جاتے ہین، اور اس کا اصول یہ ہے کہ اعلیٰ علمیت، سادہ زندگی پیدا کرتی ہے، وہ سب کے سب نہایت ہی خوشی و اطمینان سے یکسو ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی مین مشغول ہین،

سر جگدیش، نے اپنی تمام ملکیت اس کیلیے وقف کر دی ہے، مگر ایک وسیع بین الاقوامی علمی مرکز صرف اسی وقف پر قائم نہین رہ سکتا، ہندوستان کے تعلیم یافتہ اشخاص کا خیال ہے کہ ہندوستان کی علمی روایات کے قیام کی بہترین صورت یہ ہے کہ دنیا کی علمی ترقی مین عملی حصہ لیا جائے، چنانچہ سر مکائیل سیڈلر نے کہا ہے کہ یہ علمی مرکز ہزارون نوجوان ہندیون کے لیے شمع ہدایت ہے کہ یہان علم صرف علم کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، اور اسکی فضا آزادی و جوش تحقیقات کے ولولون سے پر ہے، حکومت نے بھی اس کی خدمات کا اعتراف کیا اور اسے "شعبہ جات منتقلہ" کے دائرہ سے باہر رکھا ہے، چنانچہ اس کے قیام کیلیے بشرطیکہ یہ انسٹیٹوٹ انہی اصول کو اپنے پیش نظر رکھے جن کے ساتھ اس کے بانی نے اسے قائم کیا ہے، حکومت نے ایک رقم منظور کی ہے، اس حیثیت سے حکومت ہند نے باشندون کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے، اس کی تمام کارروائیان اور اس کے تمام تجربے آزادی کے ساتھ انجام دیے جائینگے تاکہ وہ علمی دنیا

کی بہتر طریقہ سے خدمت انجام دے سکے،

گذشتہ تین سالون کے عرصہ مین انسٹیٹوٹ نے تین ضخیم جلدین شائع کی ہین، ان مین تقریباً ایک سو انکشافات کا ذکر ہے جو دوسرے انکشافات کے لیے ایک وسیع میدان پیش کرتے ہین، انکی سب سے آخری ایجاد "فوٹو سنتھیس" ہے جس کے ذریعہ پتہ چلایا جاسکتا ہو کہ پودہ کس قدر عرق حاصل کر رہا ہو؛ سر بوس نے گذشتہ نومبر مین یونیورسٹی کالج مین اس کو پیش کیا تھا، انکی تحقیقات طبی نکتہ نظر سے اس قدر اہم ہین کہ رائل سوسائٹی آف میڈیسن، اپنے ایک مخصوص اجلاس مین صرف انھین پر غور کریگی، کیا ہم مسلمانون کے تعلیمی مرکزون کی طرف اس کے نقش ثانی کے لیے دیکھ سکتے ہین؟

نسل انسانی کا آغاز

موجودہ اقوام اور قبائل کے متعلق جدید ترین خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے ایشیار کبری (چین، ترکستان) کے بلند مقامات مین ظاہر ہوے، جہان ہر قسم کے بندر اور بن مانس پیدا ہوئے، ان مقامات مین بلندی اور انکی سطح کی ہمواری کی وجہ سے بکثرت پانی، چراگاہین اور درخت ہوتے تھے کیونکہ یہان کے پہاڑ مخروطی شکل کے نہ تھے کہ ان پر سے پانی نیچے گرجاتا، بلکہ وہ مسطح اور ہموار تھے، اس لیے ان مین پانی جمع ہوجاتا تھا جسکی وجہ سے وہان نباتات کی بڑی کثرت تھی جو عام جاندارونکی غذا ہے،

جب اس علاقہ مین جاندارونکی بہت کثرت ہوئی تو مقابلۂ وجدال کا سلسلہ ہوا جس مین وہی جاندار کامیاب رہتے تھے جو عقل یا جسم کی حیثیت سے دوسرون پر فوقیت رکھتے تھے، انکی یہی کامیابی انکی نسل کو بھی بڑھاتی گئی کیونکہ دوسرون پر کامیابی کے بعد مال غنیمت مین انکو جاندار مادہ ہاتھ آتی تھین اور اس طرح برابر ممتاز جاندارون کی نسل روز افزون کرتی گئی، پھر ایک کافی زمانہ گذر جانے کے بعد جب امتیاز اور دوسرون پر فوقیت کی یہ صفات افراد مین عام ہوگئین تو ایک نوع کا دوسرے نوع سے امتیاز ہونے لگا، گویا وہی خصوصیات جو ابتدا مین ایک مخلوط گروہ کے دوسرے مخلوط گروہ سے امتیاز و تفریق کا ذریعہ تھین اب

خود اس مخلوط گروہ کے ایک نوع سے دوسری نوع کے امتیاز و تفریق کا ذریعہ ہوگئین، اور اسی طرح برابر ایک نوع سے دوسری نوع جدا ہوتی اور بڑھتی رہی،

یہ اس علمی جماعت کی رائے ہے جسکو امریکہ نے انسان کے ابتدائی مولد و منشار کی تحقیق کی غرض سے چین کی بلندیون کی طرف روانہ کیا، یہ جماعت ابتک صحیح اور یقینی طور پر اس سرزمین کا پتہ نہین لگا سکی جہان سے انسان کی ابتدا ہوئی تاہم علمار کا خیال ہو کہ یہ چین کی بلندیون کو انسان کا ابتدائی وطن قرار دینے مین کسی غلط راہ پر نہین ہے کیونکہ ابتک مرجح خیال یہی ہے کہ حیوانات کی دوسری انواع کی طرح انسان بھی سب سے پہلے انھی بلندیون پر ظاہر ہوا،

موجودہ انسانی قبائل سے پہلے انسان کی بہت سی نوعین ظاہر ہوچکی ہین جن مین سے آخری انسان نیاندرتالی تھے، یہ لوگ پست قد، بھرے ہوئے بدن، دھنسی ہوئی آنکھین اور چپٹی پیشانی، اور ٹھوڑی والے لوگ تھے، یہ اس زمین پر تقریباً ایک لاکھ برس زندہ رہکر آخر مین بالکل فنا ہوگئے، بعض علمار کا خیال ہے کہ غول بیابانی اور ہوّا کے خوفناک قصے جو کم و بیش ہر قوم و جماعت مین پائے جاتے ہین یہ سب دراصل انھی واقعات کی روایتین ہین جو موجودہ نسل انسانی کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور مین اس قدیم نسل انسانی کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ کے مواقع پر پیش آتے رہتے تھے،

موجودہ انسان جسکی نسلین تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہین اس کے ظہور و ابتدا کی تاریخ آج سے تیس ہزار برس پہلے سے شروع ہوتی ہے، یہ ایشیائے کبری کی بلندیون پر تھی وہین اسکی نسل بڑھی، لیکن جب وہان نسل کی کثرت، بارش کی کمی، اور نباتات کی کمیابی شروع ہوئی تو اس نے ہجرت اختیار کی اور دوسری دوسری زمینون مین پھیلنا اور آباد ہونا شروع کیا، ترک وطن کے وقت یہ نسل شکار کے طریقون اور آگ روشن کرنے سے واقف تھی، اس نسل انسانی کے کچھ لوگ شمال مغرب کی طرف چلے گئے اس وقت یورپ کے (جو اس عہد مین جب انسان صرف چمڑہ استعمال کیا کرتا تھا بالکل برف سے ڈھکا ہوا تھا) برفستان رفتہ رفتہ

پگھل پگھلکر دھکی ہوئی زمینین صاف ہونے لگین، وہان کی فضا بہت ٹھنڈی تھی، بارش بہت ہوتی اور آسمان ہر وقت ابر سے چھپا رہتا تھا، اس لیے یورپ مین آباد ہو جانے والے قبائل کے چہرے اُن پر دھوپ نہ پڑنے کی وجہ سے سپید ہو گئے اور انکی ناک پتلی دبلی ہو گئی، کیونکہ پھیلی ہوئی اور بڑی ناک والے لوگ ٹھنڈی ہوا کو برداشت نہ کر سکتے تھے اس لیے انکی ناکین پتلی پڑ گئین،

اس قدیم نسل کے کچھ لوگ ایشیا سے افریقہ کو بتدریج چلے گئے جہان نہایت تیز دھوپ ہوتی تھی، اسکا اثر یہ ہوا کہ انکی جلدین سیاہ ہو گئین اور آج ہم انہی کو زنگی کہتے ہین، اسی جماعت کے کچھ لوگون نے بحر متوسط کے کنارے کنارے اپنی آبادیان قائم کر لین، یہ مقامات معتدل آب و ہوا رکھتے تھے اس لیے یہان کے باشندون کے چہرے گندمی رنگ کے ہو گیے یعنی اعتدال کی وجہ سے ان مین کچھ یورپ اور افریقہ کا رنگ مل جل گیا،

کچھ لوگ جنوبی ایشیا کے مشرقی جانب جہان گرمی اور سردی دونون پڑتی ہے چلے گیے. انکی ناک گرمی کی وجہ سے پھیلی اور بڑھی، یہی وجہ ہے کہ چینیون کے نتھنے بالکل زنگیون کے نتھنے کی طرح ہین، پھیلے ہوئے نتھون کی حقیقت یہ ہے کہ جب ہوا آفتاب کی گرمی سے گرم ہوتی ہے تو یہ بھی پھیل جاتے ہین گرمی کی وجہ سے انسان زیادہ سانس لیتا اور ہوا کی زیادہ مقدار کھینچتا ہے اسکی وجہ سے بھی لامحالہ ناک بڑھ اور پھیلجاتی ہے، ان اطراف مین گرمی اور سردی کے اجتماع نے یہان کے بسنے والون کے چہرون کو زرد کر دیا یہ رنگ اس اجتماع کا لازمی نتیجہ تھا،

لیکن بالکل جنوبی ایشیا، جہان شدید گرمی پڑتی ہے تو یہان کے لوگون کا رنگ بھی بالکل زنگیون کا رنگ ہے اور کم و بیش یہی حال آسٹریلیا کا بھی ہے،

زمانہ قدیم مین ایشیا امریکہ سے بالکل ملا ہوا تھا، ایشیا کے کچھ لوگ امریکہ مین ہجرت کر آئے تھے، اور یہی لوگ ہین جنکو آج امریکہ مین ہندو (یا سرخ ہندوستانی) کہا جاتا ہے، امریکہ کے ماحول

اور سرزمین کا انسان کی ساخت اور رنگ و روغن پر کیا اثر پڑتا ہے اسکا صحیح مطالعہ اب تک نہین کیا گیا ہی تاہم بظاہر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ یورپ سے ہجرت کر کے امریکہ چلے جاتے ہین، ایک کافی مدت گذر جانے کے بعد ان کا رنگ بھی امریکہ کے ہندوؤن (سرخ ہندوستانی) کا سا جو وہان کے اصلی باشندے ہین ہو جاتا ہے،

(الہلال، مصر)

اسلام ایک فرنچ کی نگاہ مین

اسلام کے متعلق، یورپ کے مستشرقین کی کتابین عموماً اس بات کا بین ثبوت ہوتی ہین کہ انکو نہ تو مسلمانون سے مل جل کر اُن کے صحیح خیالات، اور اعمال و اخلاق کے مطالعہ کا موقع ملا ہی، اور نہ انھون نے اسلام کے اصول و قواعد اور اُسکی تاریخ پر کبھی اپنی پیدائشی بیگانگی اور تقلیدی تنفر سے الگ رہ کر نظر ڈالی ہے، مگر پروفیسر ایڈورڈ مونٹٹ (معلم السنۂ مشرقیہ جنیوا یونیورسٹی) ایک مستثنیٰ بزرگ ہین جنھون نے ثابت کر دیا ہے کہ انکی تالیفات بیسوی صدی کے ایک عالم کی شان کے مطابق ہوتی ہین انھون نے اپنے دل مین طے کر لیا ہے کہ اسلام پر قلم اٹھانے سے پہلے تقلیدی خیالات، اور ذاتی تعصب سے دماغ کو پاک کر لینا ضروری ہے. حال مین پایو کمپنی۔ پیرس نے انکی ایک کتاب "الاسلام" شایع کی ہے، جس مین ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ عرب قبل اسلام، محمدؐ اور اسلام، قرآن اور دین محمدی، اسلام کا قانون وراثت، خلفائے راشدین، بنی امیہ اور بنی عباس، اور خلافت کے متعلق اختلافات، خلفا کے عہد مین دفاتر کی تنظیم اس کتاب مین اُنھون نے عقائد، شریعت، تصوف، اولیا، تصوف کے سلسلۂ الحاد اور تشیع وغیرہ دیگر مضامین پر بھی روشنی ڈالی ہے، اسلام مین، علمی، ادبی، صناعی، فلسفی جس قسم کی کوششین وجود پذیر ہوئین سب کا بیان خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا ہے، اس کے بعد مؤلف نے بیسوین صدی مین مسلمانون کی مردم شماری، اور اشاعتِ اسلام پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، اور ٹرکی، عرب اور فارس وغیرہ آزاد ممالک کے ساتھ ان تمام ممالکِ اسلام پر نظر ڈالی ہے

جو یورپ کے استعمار یا حمایت مین گرفتار ہین اور عالم اسلام مین جس قدر اصلاحین جاری ہورہی ہین اور بابیت اور بہائیت وغیرہ کے نام سے جو آزاد خیالیان رونما ہورہی ہین، اور نیز اہل اسلام کے نشو وارتقا سب کی تشریح کیگئی ہی،

آنحضرت صلعم کے متعلق پروفیسر موصوف کا ایک فقرہ یہ ہو کہ آپ پر (دشمنونکی طرف سے) سخت الزامات عاید کیے گئے ہین، جسکی وجہ صرف یہ ہو کہ آپ ہی مصلحین عالم مین ایک ایسی ہستی ہین جن کے حالات ہم کو تفصیل معلوم ہین، واصلاح اخلاق، اور سوسائٹی کے تزکیہ اور تطہیر کے متعلق آپ کے کارنامے، آپکو انسانیت کا محسن اعظم قرار دیتے ہین

عربی ہندسہ (انجنیرنگ) کے متعلق لکھتے ہین، کہ عرب نے پہلے یہ فن مشرقی رومیون سے لیا جس وقت رسول عرب کا ظہور ہوا فن تعمیر مشرقی روم مین اپنے ارتقا کے اوج پر تھا، مسلمانون نے جامع مسجدون اور شاہی محلات کی تعمیر کے لیے اسی طرز تعمیر کے اختیار کرنے کا مشورہ اپنے مہندسین کو دیا، اسلامی فن تعمیر ساتوین صدی سے دسوین صدی تک کے عرصہ مین مکمل ہوا، اسی عرصہ مین قدس کی مسجد اقصیٰ، قاہرہ کی جامع عمرو، اور جامع ابن طولون اور اسپین کی جامع قرطبہ تعمیر ہوئی،

بعض مستشرقین کا خیال ہو کہ اسلام کی رفتار ترقی بہت سست ہی، مگر پروفیسر موصوف کے نزدیک اسلام نہایت مناسب اور بہتر رفتار کے ساتھ اپنے منازل ارتقا کو طے کر رہا ہی، پروفیسر صاحب مسلمانون کو مشورہ دیتے ہین کہ وہ مسکرات وغیرہ تمام محظورات شرع سے بچنے کی مستقل کوشش جاری رکھین، کیونکہ مسلمانونکی طاقت اسی مین مضمر ہی، اسلام کی وہ قوتین جو اسلام کی گذشتہ عظمت کا راز ہین بالکل فنا نہین ہوگئی ہین بلکہ ان کے باقی آثار اب بھی اسلامی تمدن کی حفاظت کر رہے ہین، اسلام اور یورپ کے بہت سے نیک نیت اصحاب اس بات کی کوشش کر رہی ہین کہ مسلمانون اور یورپ کے مسیحیون مین ایک قسم کی یگانگت پیدا کیجائے تاکہ دونون ایک دوسرے سے مفید باتین سیکھین اور مادی منافع اور صنعتون کا باہم تبادلہ کرین"

(المجمع العلمی دمشق)

اخبار علمیہ

ماہرین اثریات نے وسط ایشیا مین ایک جانور کی ہڈیان پائی ہین، اس کے متعلق ان کا خیال ہی کہ ۳۰۰۰۰۰۰ سال پہلے کی ہین اور یہ جانور اتنا بڑا تھا کہ افریقیہ کا سفید گینڈہ اس کے مقابلہ مین بالکل ہی بے حقیقت معلوم ہوتا ہے،
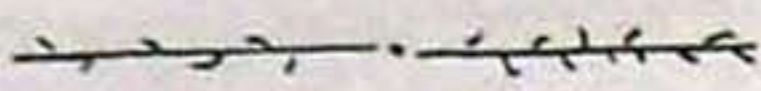
راک فورٹ مکھن کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا اور مشہور شہر ہے، یہان اس کے لاتعداد کارخانے ہین اور یورپ کا بڑا حصہ اپنا مکھن یہین سے خریدتا ہے، یہان تقریباً ۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ مکھن سالانہ تیار ہوتا ہی،

عطرسازی ایک قدیم صنعت ہی، پہلے یہ صرف مذہبی مراسم مین استعمال کیا جاتا تھا، جو قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر مصر لایا تھا، ایران سے عطر ہی لا رہا تھا، اس کے علاوہ یونانی زبان مین اسی موضوع پر ۳۰۰ ق م کی لکھی ہوئی ایک کتاب بھی دستیاب ہوئی ہی،

اسپرنٹو (مشترک زبان) مشرق اقصیٰ مین بہت کچھ مقبولیت حاصل کر رہی ہے، ماہرین السنہ کا یہ خیال ہو کہ اہل مشرق، یورپ کی دوسری موجودہ زبانون کے مقابلہ مین اس کے قبولیت کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہین،

اطالیہ کے قدیم شہر سونیا لوبینا کو محکمۂ اثریات دوبارہ کھود کر نکال رہا ہے، اس مین ایک مکمل

عمارت نکلی ہے، جو رومن تمیز معلوم ہوتا ہے، اس وقت تک جتنے تھیٹر نکلے ہین ان مین یہ سب سے زیادہ مکمل ہے:

اس کا مربع ۱۶۰ فیٹ ہے؛

امریکہ کا علمی رسالہ سائنٹفک امریکن راوی ہے کہ ستارون کے عناصر مین تغیر ہو رہا ہے اور مخلوط عناصر پیدا ہو رہے ہین، گذشتہ چند سالون مین تقریباً ۸۰ نئے عناصر کا پتہ چلا ہے، یہ خیال سب سے پہلے ۱۸۱۵ء مین پراوٹ کو پیدا ہوا تھا،

دنیا مین اس وقت دس آدمیون کو سب سے زیادہ مالدار بتایا جاتا ہے، اس مین اولیت کا مرتبہ امریکہ کے مشہور مالک کارخانہ موٹر ہنری فورد کا ہے، چوتھا درجہ وہین کے وزیر مالیات کا ہے، ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے اُن کے نام معہ سالانہ آمدنی لکھتے ہین، اس مین ہم کو ایک ہندی کا نام بھی نظر آتا ہے،

نام		قسم
ہنری فورڈ	(امریکہ)	۱۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ
جے ڈی، راک فیلر	(؍؍)	۱۰۰۰۰۰۰۰ ؍؍
ڈیوک آف وسٹ منسٹر	(برطانیہ)	۳۰۰۰۰۰۰ ؍؍
اندریو، ایم میلان	(امریکہ)	۳۰۰۰۰۰۰ ؍؍
سر بسل زہراف	(یونان)	۲۰۰۰۰۰۰ ؍؍
ہوگو سٹینس		۲۰۰۰۰۰۰ ؍؍
پرسی راک فیلر		۲۰۰۰۰۰۰ ؍؍
بیرن اچ متسوئی		۲۰۰۰۰۰۰ ؍؍

بیرن ایچ ایواسکی	۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ
مہاراجہ گائکواڑ بڑودہ	۲۰۰۰۰۰۰ ؍؍

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ بحر نے ایک جرمن کمپنی کی مدد سے ایک اتنا بڑا ہوائی جہاز بنوایا ہے جس کے اندر دنیا کا سب سے بڑا جہاز نہایت ہی آسانی سے سما سکتا ہے، ہوائی دنیا کا یہ معجزہ سمجھا جاتا ہے، اسکی بڑائی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ۹۸۵ گز لمبا اور ۱۲۵ فٹ چوڑا ہے،

ڈاکٹر الیف، ای، ووڈ نے ریاستہائے ملایا کی ایک طبی رپورٹ مین عوام کی توجہ اس طرف منعطف کر دی ہے کہ ابالا ہوا چاول صحت کے لیے بہت ہی نقصان دہ ہے، چین اور اوس کی قریبی ریاستون کے باشندون کی عام حالت پر اس کا جو برا اثر ہوا ہے وہ تمام دنیا پر ظاہر ہے، اب ہندوستان اور یورپ کے اکثر ممالک نے بھی اس کا استعمال شروع کر دیا ہے، اس لیے ہر شخص کو ڈاکٹر صاحب کی اس تنبیہ سے سبق لینا چاہیے،

اب تک ٹریم کی گاڑیان لوہے کی پٹریون پر بجلی کے زور سے چلتی تھین، اب پریڈ فورڈ مین جو گاڑیان چلائی جا رہی ہے ان کے لیے لوہے کی پٹریون کی مطلق ضرورت نہین ہے اور وہ صرف بجلی کی مدد سے اپنا پورا کام انجام دیتی ہین، یورپ کے اکثر تجارتی شہر اس نئی ایجاد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہین،

گذشتہ ستمبر مین کسوف کامل کے وقت آفتاب کی ۲۶ تصاویر لی گیئن تھین، یہ تصاویر ۲۰ سے

۱۷۸۴ تک کی ہین، ان کے حصول کے لیے ماہرین نجوم کو مہینون مشق کرنی پڑی تھی، سال مین تین یا چار گرہن ہوتے ہین، مگر ماہرین کے لیے دو سال مین کہین ایسا موقع آتا ہے، جس مین وہ آفتاب کا مطالعہ کر سکین، اکثر بڑے بڑے اساتذۂ فن کو اس کے مطالعہ کا موقع بھی نہین ہوتا، کیونکہ وہ اس قلیل عرصہ مین بند تاریک کمرہ مین آفتاب کی ہر حرکت کی تصویر لینے مین مشغول رہتے ہین، اسی قسم کے موقع پر ماہرین نے ایک خاص مادہ کا انکشاف کیا جو اب ہیلیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بکثرت استعمال مین ہے، اس مرتبہ ایک اور مادہ کا بھی پتہ لگا ہے، جس کو رونیم کا نام دیا گیا ہے،

مشہور عالم ماہر سائنس ڈاکٹر سٹینمز نے اپنے دار التجربہ سے اعلان کیا ہے کہ قوت برق کی کہربائی رفتار جس سرعت سے ترقی کر رہی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی دن مین صرف ۴ گھنٹہ کام کریگا، اس کی اکثر خدمات برق انجام دیا کریگی، اور ایک صدی بعد اگر یہی رفتار قائم رہی تو صرف دو گھنٹے کام کے لیے صرف کرنے پڑین گے۔

مہذب ممالک نے دار و رسن کی جگہ بجلی کے تارون کو انسانی ہلاکت کا ذریعہ بنایا ہے، اس سے موت فوری و یقینی ہے، لیکن اس کا سبب لامعلوم تھا، اب برسون کی کوششون کے بعد برلن یونیورسٹی کے پروفیسر بورو تو نے معلوم کیا ہو کہ اس موت کا فوری سبب یہ ہو کہ بجلی کی رو فوراً قلب کو بیکار کر دیتی ہے اگر اسی وقت اس اثر کو زائل کرنے کی کوشش کیجائے تو چھوٹے جانور پھر جانبر ہو سکتے ہین، لیکن بڑے جانورون اور انسانون کے لیے یہ ناممکن ہے، پروفیسر موصوف نے ۲۱۴ اشخاص اور جانورون کا تجربہ کرکے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے،

ادبیات

افکارِ گرامی

حضرت گرامی شاعرِ خاص اعلیٰ حضرت نظام سابق

ظہوری کی ایک غزل ہو، جسکا مطلع ہے :-

سستم و سخت جانی ہم ہست   کو ہم و ناتوانی ہم ہست

جناب گرامی نے اس پر ایک غزل لکھی ہو، جس کے چند اشعار ممدوح کے ایک تلمیذ راحل نعمانی نے ہمارے پاس بھیجے ہین، جو ہدیۂ ناظرین ہین جناب گرامی فارسی کے کہنہ مشق استاد ہین، یہانتک کہ ڈاکٹر اقبال انکا احترام کرتے ہین، جناب گرامی کی رباعیات خصوصًا بلند ہوتی ہین،

بسملم پر فشانی ہم ہست   سیرم و نقد جانی ہم ہست

خیز در عرصۂ جہاد بمیر   مرگ را زندگانی ہم ہست

جلوہ اش چشم موسیٰ خواہد   تشنۂ لن ترانی ہم ہست

لب منصور شد انا الحق سنج   بے نشان را نشانی ہم ہست

از میانش برون نمی آیم   عجز را پہلوانی ہم ہست

نتواند کہ رم کند ز دلم   زور را ناتوانی ہم ہست

دید نبضم مسیح می گوید   دردہائے نہانی ہم ہست

رفتم از کار عشق می بازم   پیریم را جوانی ہم ہست

از علیؑ پرس نکتہائے کتاب   وحی را ترجمانی ہم ہست

خلافت
اور
ترک و عرب
از

ڈاکٹر سر اقبال

حضرت گرامی کی غزل بالا ہمارے پاس پوری نہین بھیجی گئی ہے، اس غزل مین ایک شعر تھا "نقر را ترکمانی ہم ہست" جو حضرت اقبال کو بہت پسند آیا تھا، اور اس پر تضمین کی تھی، حضرت اقبال اپنے ایک گرامی نامہ مین ہمین لکھتے ہین کہ پیام مشرق مین اس واسطے اس کو داخل نہ کیا کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بہت پسند نہ آئی اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت مین کوئی عذر نہین، یہ سچ ہے کہ پیام مشرق کے ساز مین یہ لحنِ شیرازی کچھ زیادہ سامعہ نواز نہ ہو تو بھی اس سے الگ اقبال کی صدا کا ہر حرف گوشوارۂ حقیقت ہو،

سخنے راندہ کہ جز قرشی — بر سرِ مسند نبی ننشست
درس گیر "از گرامی" ہمہ درد — کہ برید از خود و باد پیوست
رمز ترک و خلافت عربی — گفت آن میگسار بزم الست
تاہ را بر فلک دو نیم کند — نقر را ترکمانی ہم ہست"

محسوسات حسرت

عاشق کو ہوئی فنائے فانی — پیغام حیات جاودانی
ہے کثرت شوق کا نتیجہ — آنکھون کی یہ آرزو فشانی

تھی اُن کی نگاہِ بے نگاہی — اک طرفہ ادائے دلستانی
پھر آج وہ برسرِ کرم ہین — از راہ کمال مہربانی
پھر گلشنِ آرزو مین گویا — آئی ہے بہار کامرانی
بیٹھے ہین وہ رُوٹھ کر جو مجھسے — چمکا ہے جمالِ سرگرانی
کچھ ایسے جدا ہوئے کہ ہم سے — پھر مل نہ سکا وہ یارِ جانی
کچھ داغ فراق کے علاوہ — تم اور نہ دے چلے نشانی
دونی ہوئی آرزو کی شورش — اللہ رے زورِ ناتوانی
ہنگامہ نوازیان ہوس کی — تھین لازم عہدِ نوجوانی

اُردو مین کہان تھی اور حسرت
یہ طرزِ نظیری و فغانی

فکر سلیم

مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی پروفیسر جامعہ عثمانیہ

بہ تتبع مرزا عزیز لکھنوی

جو آشنا ہین حقیقت کی دلنوازی سے — وہ بھاگتے ہین صنم خانۂ مجازی سے
بجائے خون مری رگ رگ مین برق دوڑی اگر — ڈرون نہ سوزِ محبت کی جان گدازی سے
پھنسایا دام مین اُس نے کہان کہان مجھکو — خدا بچائے تمنا کی عشوہ سازی سے
پھری خمار زدون کی طرف نہ چشم کرم — سُبو لنڈھا دئے ساقی نے بے نیازی سے
کرون طواف نہ کیون تیرے گرد مین اے دل — ہوا ہون مست حسینونکی دلنوازی سے
قدم سنبھل کے رکھ اس دشتِ عاشقی مین کلیم! — جلے گا طور تجلّی کی بے نیازی سے

دبے گا جذبۂ عہدِ شباب کیا ناصح! فسون گری سے تری یا فسانہ سازی سے

ہزار مرتبہ گل گیر نے زبان پکڑی رکا نہ شمع کا شعلہ زبان درازی سے

فضائے دہر مین جنکی ہے گونج ابھی باقی وہ سُر بلند ہوئے پردۂ حجازی سے

فضائے نور مین گم ہو گیا دلِ حیران سبق لیا ہے یہ شبنم کی دل گدازی سے

نئے جہان ابھی پیدا ہون تو اگر چاہے تری نگاہِ تخیل کی سحر سازی سے

اگرچہ برقِ تجلی سے دل ہو خاکستر نہ باز آئینگی آنکھین نظارہ بازی سے

درِ نیاز پہ پیشانیان ہین جنکی جھکی بلند گردنین اُنکی ہین سرفرازی سے

نہ آرزوؤن کے جمگھٹ سے دل ہا خالی ہے اس کو ذوق سدا انجمن طرازی سے

سلیم اس کی تجلی کو دیکھ سکتا ہون

رہی وہ پردہ مین اپنی نظر گدازی سے

تابشِ سہیل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی،

تنگیِ جنون شوق ایک خیالِ خام تھا حُسن جو بیکرانہ تھا عشق بھی ناتمام ہو

زہد کی اصطلاح مین جس کا سلوک نام ہو رہروِ راہِ عشق کی لغزشِ ناتمام ہو

عاقلِ مصلحت شناس کو یہ مرا پیام ہو عشق جنون ہی سہی قابلِ احترام ہو

داورِ حشر سے بھی مین، کر نہ سکا ترا گلہ حسن سے داد کی طلب، جذبۂ انتقام ہو

وحدتِ مدعا ہو صرف روحِ نمازِ عاشقی زاہدِ حق پرست ابھی بندۂ ننگ و نام ہو

بے خبرون کو کیا خبر! پوچھے کوئی کلیم سے خیرگیِ نگہ کا راز جلوۂ ناتمام ہو

———•———

اوراقِ پارینہ

صمدنیات

از مولوی سید مقبول احمد صاحب، ایم آر اے ایس، ایف آر ایس اے

(۵)

اُورینٹل مسیلینی یا نخبۃ المشرق

بازہوائے چمنم آرزو ہست،

ناظرینِ کرام میری بے راہ روی یا مستانہ خرامی پر متعجب ہون گے، حقیقت یہ ہے کہ سیلانی کا قدم نظر کے ساتھ ہی چمن مین سب سے بڑے اور خوب کھلے ہوئے پھول کی طرف بڑھتا ہو خواہ وہ کسی گوشہ مین ہو خواہ کسی روِش پر، اگر پھول خوشرنگ خوشبو اور خوشنما ہوا تو نگاہ سے پہلے دستِ گلچین کو بھی کھینچ لیتا ہو، کتب خانہ مین پہنچکر یہی کیفیت میری ہو جاتی ہو، کبھی کوئی کتاب اردو کی اُٹھا لیتا ہون (مثلاً جامع الاخلاق[1] یا انتخابِ ہندی

[1] جامع الاخلاق کی نسبت قاضی عبدالودود صاحب کا خیال تھا کہ انکا نسخہ طبع اوّل کا ہو جس کے ساتھ اس ترجمہ کی اشاعت بھی ختم ہو گئی، اسیطرح میرا پندار تھا کہ کتبخانۂ سمدن والا نسخہ مطبوعہ ۱۲۵۲ھ بھی ایک دُرِّ یتیم ہو جس کے لیے کچھ زمانہ بعد اہل نظر کی نگاہین ترسینگی، لیکن میرے استعجاب و مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب مین نے دسمبر گذشتہ مین علی گڈھ کانفرنس کے موقع پر ذخائرِ کتب مین جامع الاخلاق کا تازہ ترین اڈیشن دیکھا، یہ بڑی تقطیع اور گلابی کاغذ پر مارچ ۱۹۱۲ء مین مطبع نولکشور کانپور سے نکلا ہے، اس کی تحشیہ و تصحیح مولوی محمد ناظم حسین شاہ آبادی نے کی ہے، خوش خط اور مقابلۃً جلی قلم ہے،

کبھی اردو انگریزی کی (دستور الاحکام) کبھی خالص فارسی کی (ید بیضا) اس وقت جو کتاب مل گئی ہی وہ فارسی مع انگریزی ہی اور جملہ مطبوعات متذکرہ سے قدیم تر،

اورینٹل مسیلینی اُن نایاب پرانی کتابون مین ہی جو نو وارد انگریزون کی تربیت و آگاہی کے لیے سوا سو برس پہلے تالیف کیگئی تھین، کتاب کا نام بھی اسی ضرورت سے انگریزی رکھا گیا تھا جسکو مین تخبتہ الشرق کہتا ہون آپ المنتخب الشرقیہ کہہ سکتے ہین، زیر نظر نسخہ نہایت محفوظ اور اچھی حالت مین ہے تقطیع ساڑھے آٹھ انچ لمبی پانچ انچ چوڑی، جلد تمام و کمال ابری دار چمڑے کی بغایتہ خوشنما اور نظر فریب ہی پشت پر طلائی گلکار، دفتی پر یادداشت ہی کہ کتاب کا خرچ گورنمنٹ کے ذمہ آٹھ روپیہ پڑا اور ۲۰ اگست ۱۸۱۵ء کو جلد بندی کے باتہ ہمارا پائی دے گیے، کتاب کالج فورٹ ولیم کی مملوکہ تھی طلبہ کے صرف کے لیے سنہ ۱۸۱۸ء مین دیگئی، کالج کی مہر ملکیت مین بھی یہی الفاظ اردو ہندی و بنگلہ مین منقوش ہین، لوح پر انگریزی مین تحریر ہی،

متفرقات مشرقیہ، حامل متون مع تراجم، جلد اول مطبوعہ کلکتہ ۱۷۹۸ء،

مقصدِ ترتیب اس مختصر سادہ و سلیس عبارت مین ظاہر کیا گیا ہے،

”تجویز تالیف“

”متفرقہ ہذا ادب مشرق کے ہر ایک موضوع پر اصل تحریرات کا مع ترجمون کے متضمن ہوگا تاکہ السنہ ایشیائی کی تعلیم و تدریس و تعلم کا قابل قدر“ مواد ”فراہم رہے، معہذا انگلش نژاد قارئین کے لیے تفریح و آگاہی و خبرت کا حامل و موجب ہو“

The Oriental Miscellany — Consisting of — Original Productions — and — Translations.

Volume the First. — Calcutta

MDCCXCVIII.

”اس کتاب کی جلا، و رونق کے لیے ہم بے تکلف و بلاتکان مقامی اشیار کی عموماً اور تاریخ فطرت کی خصوصاً تصاویر بھی مہیا کرین گے، ہندوستان کے بہترین صناعون سے انکو منقوش کرانے اور رنگ آمیزی مین صرف زر سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا“

”مجموعہ حاضرہ کو بہت سے معزز نامون سے عزت حاصل ہو رہی ہے، اور علم دوست دوستون نے بھی اسکی تکمیل مین تائید و اعانت کا وعدہ فرمایا ہے،، حتیٰ کہ ہماری توقع کی وجہ معقول موجود ہے کہ یہ مجموعہ عوام کی حوصلہ افزائی کے شایان پایا جاویگا،،

اس کے بعد فہرست مضامین جلد اوّل ہی، افسوس ہے کہ باوجود تلاش بلیغ جلد دوم مجکو اب تک کسی کتب خانہ مین دستیاب نہین ہوئی، جس سے مین نے مجبوراً یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ غالباً قائم نرہ سکا اور پہلی ہی جلد پر اس منصوبہ کا خاتمہ ہوگیا، الہ آباد کی پبلک لائبریری مین بے شبہہ اورینٹل مسیلینی نام ایک کتاب کی چھ جلدین مع دو جلد تتمہ جات کے موجود ہین مگر انکی تقطیع و ضخامت اور ترکیب صوری کے ساتھ انکی ترتیب معنوی بھی جدا اور متبدل ہے، یہ آٹھون مجلدات سر ولیم[1] جونس کی تالیف اور یادگار ہین جو ۱۷۹۹ء سے لیکر ۱۸۱۰ء تک مطابع سے نکلین، لیکن ان مین فارسی کے اقتباسات کہان، یہ دوسرے اقسام کی معلومات کو اپنے پہنائے آغوش مین لیے ہین، سر ولیم جونس ایک بڑا مدبر اور عالی دماغ مستشرق گذرا ہے جس کا بسوط تذکرہ لارڈ ٹین[2] موتھ ہندوستان کے گورنر جنرل نے ۱۸۰۴ء مین شایع کیا تھا، جس مین جونس کے سوانح زندگی کے سوا اسکی تصانیف و مراسلات وغیرہ کو بھی تفصیلاً بیان کیا ہے، بہر حال مجھے تحقیق نہین ہوا کہ زیر مطالعہ کتاب کا جامع کون ہے، تمہید بالا مین ”جمع متکلم کی ضمیر“ بتاتی ہے کہ اسکی تالیف مین ایک سے زیادہ دست و قلم شریک رہے ہونگے، یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ جب بڑے بڑے انگریز اور یورپین امرا ”مشرقیات“ مین دلچسپی لیتے

[1] Sir William Jones — [2] Lord Teignmouth.

اور ایشیائی علوم وفنون مین تبحر حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے، ترویج علوم وتراجم مین اہل قلم سے زیادہ اہل سیف کو شغف تھا۔ ان زندگان جاوید مین سے (۱) جیمس ایٹکنسن (۲) چارلیس ایلیٹ (۳) اے ڈبلیو ارسکن (۴) کرنیل جان برگس (۵) ڈاکٹر ایف سی بالفور (۶) جیمس برڈ (۷) میجر ڈیوڈ پرائس (۸) انیتھونی ٹرائر (۹) ڈلکن (۱۰) الیگزنڈر ڈاؤ (۱۱) ایم ریماند المعروف بہ حاجی مصطفےٰ فرانسیسی (۱۲) پادری رینالڈس (۱۳) لفٹنٹ رونالڈسن (۱۴) میجر چارلس اسٹوارٹ (۱۵) الائس اسپرنگار (۱۶) ڈیوڈ شی (۱۷) ایس ڈبلیو فیلن (۱۸) کرنیل فرنکلن (۱۹) ولیم کرک پٹریک (۲۰) فرانسیس گلیڈون (۲۱) پادری سیموئیل لی (۲۲) اڈورڈ ولیم لین (۲۳) جان لائیڈن (۲۴) کپتان جارج گرنیول مالٹ (۲۵) کرنیل مائیلس (۲۶) میجر جنرل سرجان میلکم (۲۷) ایلزابیتہ ہیملٹن (۲۸) ڈبلیو وڈ (۲۹) چارلس ویڈنگٹن اور (۳۰) خود وارن ہسٹنگز گورنر جنرل بنگالہ کا نام چندین از صد سمجھنا چاہئے۔ ان منفرد کام کرنے والون کے سوا ایک منتظم اور باقاعدہ جماعت بھی (۳۱) اورنٹیل ٹرانسلیشن کمیٹی کے نام سے محض ترجمہ کی خدمت ونگرانی کے لیے قائم تھی، بہت ممکن ہی کہ یہ مجموعہ اسی انجمن کا کارنامہ ودستنبو ہو۔

(1) James Atkinson. (2) Charles Elliot. (3) A. William Erskine. (4) Colonel John Briggs. (5) Dr. F.C. Balfour. (6) James Bird. (7) Major David Price. (8) Anthony Troyer. (9) H.W. Dulcken. (10) Alexander Dow. (11). M. Raymond a French creole. (12) Rev. J. Reynolds

(13). Lt. M.J. Renaldson. (14) Major Charles Stewart (15) Aloys Sprenger. (16) David Shea.

(17) S.W. Fallon. (18). Colonel Francklin. (19) William Kirkpatric. (20) Francis Gladwin. (21). Rev. Samuel Lee. (22). Edward William Lane. (23 John Loyden.

(24) Captain George Grenville Malet. (25) Colonel W.N. Miles. (26). Major General Sir John Malcolm.

(27) Elizabeth Hamilton. (28) W. Ward. (29) Charles Waddington. (30) Warren. Hastings. (31) Oriental Translation Committee.

بازآمد ۔ فہرست مضامین انگریزی مین ہی اور حسب ذیل ہی؛

فرمان اورنگ زیب برائے انسداد بعض بدنظمی ہائے حکومت گجرات	صفحات ۳۱	لغایتہ ۵۰
فرمان دیگر متعلق خراج	۵۱	۶۹
رسالہ دربیان تشریح وتفصیل وطریق تحصیل مالگزاری ہائے سرکاری حقوق متعلق اراضی حسب تشریح محمد شاہی	۷۰	۹۹
ممالک پر سرسری نظر۔ از جناب ولیم ہنٹر؎	۱۰۰	۱۲۶
لیوکورکس؎ ۔ یا آہوئے سفید کا بیان، معہ تصویر جو تابنے کے پتر پر قدرتی رنگ کے موافق تیار کیگئی	۱۲۷	۱۲۸
تبت کے مشک کا حال معہ تصویر حسب صراحت بالا	۱۲۹	۱۳۲
رقعات اصلی، جو باپ نے بیٹے کو مختلف معاملات پر لکھے، فارسی زبان مین، نوخیز طلبا کی استعداد بڑھانے کے لیے بالخصوص مفید ہین	۱۳۳	۲۸۷
ارسطو کو افلاطون کی نصیحتین، از اخلاق ناصری	۲۸۸	۲۹۵

تفصیل سے پہلے مضامین کا شمار نہین دیاگیا ہے، اپنی طرف سے اضافہ کرنا مین نے بھی نامناسب سمجھا، قارئین معظم خود درست کر سکتے ہین، تحریرات نمبر ۴ و ۵ کے سوا باقی سب فارسی مین ہین جنکا ترجمہ انگریزی صفحہ مقابل پر موجود ہے، یہ دونون فقط انگریزی مین ہین، البتہ جو قطعات تاریخ یا کتبہائے عمارات سلسلۂ بیان مین آگئے ہین اونکو بلفظہا نقل کر دیا ہے، ترجمہ کی ضرورت نہین سمجھی، اسی طرح تقریر نمبر ۳ کے ذیل مین اصطلاحات فقہیہ واسمار ولغات وکتب فقہ وحدیث کے نام بھی فارسی مین نیچے لکھ دئے ہین،

انگریزی عبارت پرانی وضع کے رومانی یا لاطینی ٹائپ مین ہے، آٹھ کا (8) یونانی ہندسہ اس صورت کے لیے استعمال ہوا ہے جو ڈبل او (oo) سے پیدا ہوتی ہے، قدیم اسکاچ رسم خط پر حرف ایس (s) الیف (f) سے مشابہ لکھا گیا ہے، بعض جگہ طریق تہجی بھی جدا ہے، پڑھنے والے کی نظر قدرتاً اس مین الجھتی

؎ William Hunter. Esq.

؎ Leucoryx یونانی زبان مین غزال کو کہتے ہین یہ آہو بڑا اور زردی مائل بھورے رنگ کا شمالی افریقہ مین ہوتا ہے،

اور بعض اوقات غلط اردی کرجاتی ہے، ذیلی نوٹ حسب معمول صفحہ کے آخر پر دئے گیے ہین اور کتاب کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے،

ذکر بادشاہی بہمن بن اسفندیار بن گشتاسپ بن لہراسپ وخرابی بیت المقدس بار دوم،

سے پہلے دو صفحے انگریزی مین تمہید اور تاریخ طبری کے تبصرہ وتوصیف مین صرف کیے گیے ہین، خود بدولت علم وکمال نے تاریخ مذکور کو تمام دیگر تواریخ محمدیہ (۹) کی بنیاد واساس قرار دیکر لکھا ہے کہ اس کے مصنف ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری نے جو بغداد مین پچاسی (۸۵) سال کی عمر مین سنہ ۳۱۰ھ (سنہ ۹۲۳ء) مین فوت ہوئے اصل کتاب عربی مین تیس ہزار اوراق پر لکھی تھی، احباب کے اصرار وفرمائش سے کہ ایسی لمبی کتاب کے پڑھنے کے لیے کسکی عمر مکتفی ہوسکیگی خود ہی اس کا خلاصہ کر دیا تھا، بروایت طبقات ابن السبکی یہی ملخص اب دنیا مین باقی ہے اصل کتاب؎ صفحۂ ہستی سے محو ہو چکی، ابوعلی؎ وزیر منصور بن نوح سامانی امیر خراسان نے سنہ ۳۵۲ھ مین اسی خلاصہ کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، آٹھ صدیان گذر جانے پر ابوعلی کی فارسی متروک الاستعمال اور عسیر الفہم ہوگئی تو ابوعبداللہ صالح بن محمد نے نوراللہ خان ملک توران کے ارشاد سے زبان رائجہ مین اس کو نقل کیا، اسی تمہید مین لکھا ہے کہ مسٹر گبن؎ طبری کو Livy of The Arabians یعنی عربون کے لیوی؎

؎ یہ ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہے جبکہ علوم وفنون کی توزیع واشاعت اور مطابع کی کثرت اس درجہ نہ تھی، الحمدللہ کہ تاج الدین السبکی اور مسٹر گبن اوران کے معتقدین کا خیال صحیح نہین نکلا، اہل مصر قابل صد ستائش وبنائش ہین جنھون نے امام جعفر محمد ابن جریر الطبری کی تاریخ الامم والملوک کو ڈھونڈھ نکالا اور طبع کیا، اسکی تیرہ جلدین تقریباً ملکہ مین ملتی ہین، ؎ شیخ الرئیس ابوعلی حسین بن سینا سے مراد ہے، شیخ نے اپنی معرکہ آرا کتاب ہدیۃ الرئیس (جو علم النفس یا قوائے نفسانیہ کی بحث مین اپنی مخصوص روش اختصار پسندی پر اہل منطق کے طریقہ پر لکھی تھی) اسی امیر کو پیش اور منسوب کی تھی، شیخ کا زمانہ تقریباً مابین سنہ ۹۸۰ء وسنہ ۱۰۳۶ء کے تھا، ؎ ایڈورڈ گبن - Edward Gibbon مشہور انگریزی مورخ ہے، سنہ ۱۷۳۶ء مین پیدا ہوا سنہ ۱۷۹۴ء مین وفات ہوئی، ؎ لیوی یعنی Titus Livius رومانی مورخ تھا، ۵۹ سال قبل مسیح پیدا ہوا، سنہ ۱۷ بعد مسیح مین وفات پائی، یورپ مین مورخین کا ابوالآبا سمجھا جاتا ہے،

کے نام سے پکارتے ہین، اور ماتم کرتے ہین کہ اصل عربی گم ہوگئی، صرف فارسی و ترکی تراجم کے ذریعہ سے کتاب کا نام و نشان باقی ہو، شارحین متفرقات نے اسی سلسلہ مین بحوالہ ایشیاٹک[1] ریسرچیز ظاہر کیا ہو کہ تمامی مشرق مین عمومًا یہ رائے قائم ہے کہ افاغنہ ان ہی یہود[2] کے اعقاب ہین جنکو بخت نصر گرفتار کرلایا تھا، ان کے قبائل کے نام مثلاً یوسف زئی و سلیمان زئی وغیرہ اس قیاس کے لیے دلیل شافی ہین کہ یہ لوگ یہودی النسل ہین[3]، ہزارہ کا ضلع جوان لوگون کا مرز بوم ہے بہت ممکن ہے کہ اسدرس Esdras کا ارفارت Arfareth رہا ہو

---

[1] Asiatick Researches. Vol. 11 P 69 یہ کتاب اس بیچمدان کی نظر سے گذری ہے، الٰہ آباد پبلک لائبریری مین اسکی تیرہ جلدین موجود ہین اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کتبخانہ مین اول کی سات، بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی ۱۷۸۴ء مین ممالک ایشیائی کی تواریخ و آثار قدیمہ و صنایع و طبیعیات و علوم ادب و انشا، کی تحقیقات کے لیے قائم ہوئی تھی، یہ اس کے کارنامے ہین اور انکا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا ہے، جلد دوم طبع پنجم مطبوعہ لندن ۱۸۰۷ء مین ایک مبسوط آرٹکل چھ صفحات (۶۹ لغایتہ ۷۴) پر پٹھانون کے بنی اسرائیل ہونے کے متعلق ہے، لکھتے ہین کہ حضرت برخیا کے ایک لڑکے کا نام افغان تھا، افاغنہ افغین کے اولاد ہین،

[2] قرآن حکیم مین اس قوم (یہود) کے لیے ھود کا لفظ آیا ہے، علمائے لغت نے اسکے اشتقاق و استعمال کی مختلف صورتین دکھائی ہین، یہودی مشہور ہونے کی وجہ یہ ہو کہ وہ اپنے کو حضرت یعقوب کی اکبر اولاد یہوذا کی طرف منسوب کرتے تھے، عربنے اپنے معمول کے موافق ذال کو دال سے بدل لیا، انکا دستور ہے کہ جب وہ کسی عجمی اسم کو اپنی زبان مین منتقل کرتے ہین تو اس کے حرفون مین کچھ نہ کچھ تغیر ضرور کر دیتے ہین،

[3] مولوی محمد عبد الحافظ خانصاحب رئیس قائم گنج جو ایک علم دوست وسیع النظر بزرگ ہین، اس حقیقت شناسی کے معترف نہین کہ بعض قبائل کے نام بھی اون کے یہودی النسل ہونے کی دلیل ہین، خانصاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے مورث کے نام سے موسوم ہوا ہے نہ کہ اس نسبت سے جس پر مضمون نویس کا استدلال ہے،

"فرمان اکبر بادشاہ بہ شہباز خان صوبہ دار مالوہ" معمولی طرز کا فرمان ہے جس مین اعلیٰ انشا پردازی اور شاہانہ سطوت و شان یعنی معدلت گستری کے اظہار کے ساتھ خان مذکور کے مراتب و مدارج اور ان کے معتمد خاص ہونے کا ذکر کیا گیا ہو، منعم حقیقی کے ادائے شکر کے بعد بادشاہ نے قدم قدم پر ملک داری کے نصائح اور رعایا کی دلدہی اور ضعفاء کی دستگیری و اعانت اور تعدی وستم سے نگہبانی و بچانے کی ہدایتین کی ہین، بادشاہ اس زمانہ مین تسخیر دکن اور استیصال متمردان مین مصروف تھا، اس لیے ارشاد کرتا ہے کہ تم فورًا مالوہ جاکر اپنا کام شروع کرو، اور جب ہم شکار کے لیے گوالیار کی طرف واپس ہونگے تو تم کو مع جملہ جاگیرداران و عمائد صوبہ مالوہ کے بلائین گے اور اہل دکن کی غمخواری اور آسودگی و رفاہیت جمہور سکنۂ دیار دکن کے لیے بھیجین گے،

"فرمان شہنشاہی در منع زکوٰۃ" تخت نشینی کے ساتوین سال صادر ہوا تھا، اس کے رو سے ہر قسم کے اناج و غلہ و ترکاری (غذا و دوا دونون کی) و روغن و نمک و شکر و عطریات و کپاس و روئی و اسباب پشمینہ و سامان چرمی و آلات مسی و ظروف چوبی، جلانے کی لکڑی اور گھانس غرض جملہ اشیائے خوردنی و پوشیدنی و دیگر لوازمہ و اجناس مدار معاش پر سے چنگی اوٹھا دی گئی تھی، صرف گھوڑا ہاتھی، اونٹ بھیڑ بکری، ہتھیار اور قیمتی پارچے اس معافی عام سے خارج تھے،

"فرمان محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ از قرار بتاریخ بیست و دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۷۵ھ یک ہزار و ہفتاد و پنج ہجری سنہ ہشت جلوس" ایک لمبی دستاویز اصلاحات مقامی و دیوانی کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کی اپنے عمال و متصدیان کے افعال و اعمال پر کیسی نگاہ رہتی تھی، دور دراز دست شہر احمد آباد اور اس کے قرب و جوار کے دیہات و قصبات مین بعض رسوم و ابواب یا چنگی کی زیادہ ستانی کی شکایت سنی ہے تو "تینتیس" چیزون کی ممانعت فرمائی اور بہت سی بے قاعدگیون اور سخت گیریون کا انسداد کیا ہے، اس دستاویز ملکداری کا تبصرہ ایک جداگانہ مقالہ کا محتاج ہے،

"فرمان حضرت محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی فی سنہ ۱۰۷۹ھ ہزار وہفتاد ونہ ہجری در باب گرفتن خراج" میں اٹھارہ دفعات ہیں اور تشخیص و تحصیل و وصول مالگذاری کا بہترین ہدایت نامہ و دستور العمل ہے، یہ حکم محمد ہاشم دیوان احمد آباد کے نام ۱۶۶۸ء میں صادر کیا گیا تھا مگر عملاً اس کا دائرہ اثر سائر ممالک محروسہ ہندوستان تک پھیلا دیا گیا تھا، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا وجود محض رعیت پروری کے لیے ہوتا تھا، اور رعیت صرف رعایت گستری اور مراعات کے واسطے بہت سے کام ادنیٰ سے رفاہ عام اور فلاحِ خلق کے ایسے بتا دئے گیے ہیں جنکی وجہ سے جمع سرکاری ایسی زمینوں سے خود بخود ساقط و معاف ہو جاتی تھی "جنسی" یا "بٹائی" کا لگان جسکو "نقدی" میں مشتمل و تحویل کرنے کی صوبہ اودھ میں آجکل سخت کوشش ہو رہی ہے، اس وقت بھی یہ طریقہ رائج تھا "ہفتم تبدیل خراج موظف بہ مقاسمہ و مقاسمہ بہ موظف، اگر رعایا بآن رضامند باشند بکنند والا نہ کنند" اسی طرح تقسیم تقاویات وغیرہ کے لیے بھی ہدایات ہیں، مترجم انگریزی لکھتا ہے کہ ان فرامین میں جو اصطلاحات یا الفاظ قانونی پائے جاتے ہیں انکی تعریف و تشریح تقریر آیندہ (صفحات ۹۰ لغایۃ ۹۹) میں ملے گی،

"بیان مالیہ ہائے سرکار و تقابض آراضی حسب شرع محمدی" کو مولوی سید امیر حیدر بلگرامی مفتی صدر نظامت عدالت نے فارسی میں قلمبند کیا تھا، یہ ۱۶۱ دفعات اور نو ۹ ابواب پر منقسم ہے اور بکمال احتیاط کے ساتھ بحوالہ ائمہ و محدثین و فقہا و کتب اسانید جامع و مانع لکھا گیا ہے، اس مجموعہ میں محض ترجمہ انگریزی چھاپا گیا ہے، صفحاتِ مقابل پر اصل رسالہ فارسی نے جگہ نہیں پائی، اس لیے یہ عنوان بھی انگریزی طغرا و سرِ مضمون کا ترجمہ ہے، فہم عام کی غرض سے فٹ نوٹس میں تمام الفاظ عربیہ و لغات رسمیہ و الفاظ قانونی و اسمائے کتب وغیرہ کو نستعلیق کے جلی ٹائپ میں نقل کر دیا ہے اور ان سے پہلے اس دفعہ کا شمارہ ڈالا گیا ہے جس میں وہ واقع ہیں، یہ تحریر ایک بلند نظر روشن خیال عالم کی ہے جسکی جلالتِ شان اور تحقیق و اجتہاد دی ستائش سے مستغنی ہے،

مفتی صاحب کا ذکر میں نے مناسب موقع پر تذکرہ میر غلام علی آزاد بلگرامی میں کیا ہے، آزاد کے پوتے اور سید نور الحسن کے بیٹے تھے، نور الحسن کا عین عالم شباب تھا کہ بلگرام میں تالاب میں غسل کرنے گیے اور غرق ہوے، یہ جوش ربا واقعہ سنہ ۱۱۶۲ھ کا ہے آزاد ترک توطن و قطع تعلق کر چکے تھے، دکن میں اقامت گزین تھے، بوڑھے باپ نے اکلوتے جوان بیٹے کا ناگہانی حادثہ سنا، جو کچھ ان پر گذری وہی جانتے ہونگے، لیکن "سے قیامت بر سر این بوستان رفت، کہ یک گل داشت آن ہم نوجوان رفت"، ایک ایسا مرثیہ لکھا جس کے ہر شعر سے جگر کبابی کی بو آتی ہے، ممکن نہیں کہ ایک دردمند دل اسکو پڑھے اور بے چین نہ ہو جائے، امیر حیدر اس وقت تین سال کے تھے (سنہ ۱۱۵۹ھ کی پیدائش تھی) تحصیل علوم اولاً بلگرام میں اپنے دادا کے ماموں میر سید محمد متخلص بہ شاعر سے کی، پھر اپنے جد امجد کے پاس اورنگ آباد چلے آئے اور وہین تکمیل و تربیت پائی، انہوں نے سید قمر الدین اورنگ آبادی کے فرزند رشید مولنا نور الہدیٰ سے تمام کتابیں پڑھیں، علم طب اور اس پر عمل حکیم عبد السلام برہان پوری سے سیکھا، شاعر فرزانہ اور یگانہ زمانہ ہوے حضرت آزاد کی رحلت پر اورنگ آباد سے بلگرام آئے اور بود و باش اختیار کی، پھر کلکتہ پریسیڈنسی میں عدالت کل کے عہدہ افتاء پر مامور ہو گیے اور خوش گزران ہونے لگی، اعیانِ عدالت انکی تعظیم و تکریم بغایت کرتے تھے، چند سال قیام کے بعد جاذبہ حبِ وطن دامنگیر ہوا، سفر میں تھے کہ مرشد آباد پہنچکر ہاتھ میں ایک بثرہ (دانہ) نکلا جو اس جہان فانی سے انتقال کا سبب ظاہری ہوا، "وائے ویلا امیر حیدر رفت" سنہ ۱۲۱۳ھ تاریخ وفات ہے،

لقد عاش دهراً يخدم العلم جهدہ وكان قليل المثل في العلم والود
ولما تولى الحكم ما عاش طائلاً فما هى ان المجد والله بالمجد

سید امیر حسن ایک ہونہار اور افتخار خاندان بیٹا چھوڑا تھا جسکی مفتی ولی اللہ علیہ الرحمہ نے تاریخ فرخ آباد میں بڑی توصیف و تحسین کی تھی، بروایت شجرۂ طیبہ (جلد دوم) امیر حسن کا بھی صرف ایک لڑکا محمد حسن عظیم آباد کی ایک بلوچ افغانیہ کے بطن سے تھا جسکا لڑکا سید نور الحسن نامی ناکتخدا فوت ہوا، آزاد کے اعقاب و اولاد کا اس پر خاتمہ ہو گیا،

مطبوعاتِ جدیدہ

تاریخ الامت، اس نام سے جامعہ ملیہ کے استاذ تاریخ اسلام جناب مولٰنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری جس تاریخ کو اردو کا جامہ پہنا رہے ہین اس کا چوتھا حصہ ابھی شایع ہوا ہے، اس حصہ سے عہدِ خلافت عباسیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے، اس مین نوین عباسی خلیفہ واثق باللہ کی وفات تک کے حالات مندرج ہین، اور سنہ ہجری کے لحاظ سے ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک یعنی پوری ایکصدی کے حوادث عالم اسلامی کا ذکر ہے، کتاب کی خصوصیت یہ رکھی گئی ہے کہ زیادہ تر سیاسی واقعات اچھی طرح اُجاگر ہو کر نظر آئین، اس لیے فتوحات اور داخلی فتن و حوادث کی کافی تفصیل ملتی ہے، مفتوحہ ممالک کی تحدید اور اس کے اندرونی حالات کہین کہین توضیح کے ساتھ بیان کئے گیے ہین، سیاسی عہدون اور نظم مملکت کے عام اصول کی ضروری تشریح کیگئی ہے، ہر خلیفہ کے آغاز عہدِ خلافت مین احوال داخلیہ اور خاتمۂ عہد مین احوال خارجیہ کے عنوان سے خاص منصبِ خلافت یا مملکتِ خلافت سے متعلق اہم حادثات و حالات کی تشریح کیگئی ہے، جس سے ہر خلیفہ کے ابتدا و انتہائے خلافت کے وقت کے خاص خاص اہم حالات پر اچھی روشنی پڑتی ہے، غرض اس کا مطالعہ اوس زمانہ کے امرا و وزرار، عمالِ حکومت سردارانِ فوج اور دوسرے مشاہیر رجال سے کافی حد تک واقف کر سکتا ہے، اس زمانہ کے متعدد مذہبی فرقون اور بانیون کے حالات بھی سلسلۂ بیان مین آگئے ہین، رہ گیے اس زمانہ کے علوم و فنون اور انکی ترقیان تو انکی نسبت دیباچۂ کتاب مین لکھدیا گیا ہے، کہ اس مین ان پر توجہ صرف نہین کیگئی ہے، کیونکہ اس کیلئے مصنف کی رائے مین ایک علحدہ دفتر چاہیے، تاہم ناگزیر مواقع پر ضمناً اور اجمالاً علوم و فنون کے تذکرے اور خلفائے عباسیہ کے علمی کارنامون کے بیان سے یہ کتاب بالکل خالی نہین، آغاز کتاب مین عباسی خلیفۂ اول کا سلسلۂ نسب حضرت عباس بن عبد المطلب تک مع ضروری حالات کے درج کیا گیا ہے، اس کے بعد ان واقعات کا بیان ہے جو خلافت عباسیہ کی بنا و تاسیس کا سبب و ذریعہ ہوئے، اور پھر اس وسیع خلافت کے پورے حدود و اطراف اور مقبوضہ اقالیم کی تشریح و توضیح خلافت عباسیہ کے زیرِ عنوان کی گئی ہے، صحتِ روایات کے لحاظ کے ساتھ تمام واقعات مسلسل مربوط اور دلچسپ طریقہ پر جمع و تحریر کیے گیے ہین زبان نہایت صاف، سادہ اور سلجھی ہوئی ہے، غرض یہ تصنیف ہر حیثیت سے کامیاب اور قابل مطالعہ تصنیف ہے، لکھائی چھپائی عمدہ اور صاف، کاغذ اچھا، تقطیع گذشتہ حصون کے برابر، صفحے ۵۰۰ قیمت عہ ملنے کا پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ علیگڈھ

سیرۃ الغازی مصطفٰے کمال پاشا، تالیف جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری، ترکانِ احرار کے کارنامون اور اُنکی تحریک دفاع وطنی کے متعلق جتنی کتابین اب تک شایع ہوئی ہین، ان سب مین یہ کتاب زیادہ دلچسپ بلند، بہتر اور صحیح واقعات پر مشتمل ہے، اردو نہین بلکہ عربی مین بھی اس موضوع پر جو کتابین ہماری نظر سے گذری ہین، بے مبالغہ کہہ سکتے ہین کہ یہ کتاب ان سے بہتر اور مکمل ہے، مؤلف نے کتاب کو دو بابون مین تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس تحریک کے رہنما، و قائد اعظم غازی مصطفٰی کمال پاشا کے مختصر حالات ہین، عام واقعات زندگی تو مجمل اور سرسری ہین لیکن انکی فوجی زندگی کے واقعات کسی قدر تفصیل اور تشریح کے ساتھ لکھے گیے ہین، یہ باب ۷۴ صفحون پر ختم ہو گیا ہے، اس کے بعد دوسرا باب شروع ہوتا ہے جو اناطولیہ مین ترکون کی وطنی جد و جہد کی مفصل و مرتب تاریخ ہے، اس باب مین تمام واقعات نہایت تفصیل، ترتیب اور صحت کے ساتھ فراہم کیے گیے ہین، مؤلف کی محنت و کاوش اسی باب مین نمایان ہوئی ہے، تحریک وطنی کے آغاز ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۳ء یعنی تکمیلِ معاہدۂ لوزان تک کے تمام حالات و واقعات نہایت شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہین، قسطنطنیہ پر اتحادی قبضہ، سمرنا اور اندرونِ اناطولیہ مین یونانی پیش قدمی، ترکون کی انجمن دفاع وطنی، میثاق وطنی ترکی و یونانی جنگ، پیرس کانفرنس، لندن کانفرنس، ترکون اور ارمنون کی جنگ، مدانیہ کانفرنس، اور لوزان کانفرنس سب کی تفصیلات مندرج ہین، مؤلف نے یہ خوب کیا ہے کہ معاہدۂ سیورے، متارکۂ مدانیہ، معاہدۂ لوزان اور دیگر وثائق سیاسی کا ترجمہ انکی اصلی حالت مین لفظاً بلفظ کر دیا ہے، مجلس وطنی کبیر کی

روداد مین غازی مصطفٰے کمال پاشا کے اعلانات اور انکی نہایت اہم تقریرین بھی درج کردیگئی ہین، ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب نے تاریخی حیثیت حاصل کرلی ہی، وسط کتاب مین اناطولیہ کے میدان جنگ کا ایک نقشہ اور آغاز کتاب مین غازی مصطفٰے کمال پاشا کی ایک تصویر بھی ہی، کاغذ چکنا عمدہ، لکھائی چھپائی صاف اور اچھی تقطیع متوسط صفحے ۱۵۲ قیمت عہ ملنے کا پتہ: منیجر نجات بک ایجنسی، بجنور۔ یو۔ پی،

سپاہیانہ زندگی، تالیف جناب اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی، کتاب کا موضوع محنت وجفاکشی کے فواید اور کاہلی وعیش پرستی کے نقصانات دکھانا ہے۔ "سپاہیانہ زندگی" سے مصنف کی مراد کیا ہے، اسکی تشریح مقدمۂ کتاب مین کردیگئی ہے، اس مسئلہ کی طرف مصنف نے خاص توجہ کی ہو کہ مسلمانوںکی ترقی کا بڑا اور موثر سبب اُن کی سپاہیانہ زندگی تھی، وہ اس کو مسلمانون کی ایک کھوئی ہوئی دولت قرار دیتا ہے، اور لکھتا ہی کہ "سپاہیانہ طرز زندگی کو ضائع کرکے قوم نے اپنے اخلاق سے اثر پذیری کی قوت کو فنا کردیا ہے، اس لیے رہنماؤن کی کوششون کا بڑا حصّہ بے نتیجہ رہا" اور اس بناپر اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہین تو پھر انکو اپنی اس کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کرنا چاہیے، کتاب کے ابتدائی حصہ مین مصنف نے یونان، ایران اور روم وغیرہ کے طرزِ زندگی سے اپنے خیال ومقصد کے مطابق استشہاد واستدلال کیا ہے، لیکن اس کے استدلال واستشہاد کا بڑا حصّہ خود اسلامی تاریخ کے واقعات پر مشتمل ہے، کیونکہ مسلمانون کے لیے اس سے بڑھکر اور کوئی ولولہ انگیز چیز نہین ہے، مصنف کی محنت وکاوش قابل داد ہے، امید ہے کہ قوم اُسکو پڑھکر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریگی، کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ قوم بغیر سپاہیانہ جوہر اور جفاکشانہ زندگی کے ابھر نہین سکتی، کتاب کا طرز بیان اور زبان صاف اور سنجیدہ ہے، لکھائی چھپائی صاف اچھی، کاغذ سفید چکنا تقطیع متوسط صفحے ۱۳۶ قیمت عصہ، ملنے کا پتہ برصونی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب،

مجلد سیزدہم | ماہ شعبان سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء | عدد سوم

مضامین

تصحیح اغلاط

ازراہ عنایت فروری نمبر کے حسب ذیل اغلاط درست کرلیجیے،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
				۹۴	۲	سنہ۳۳۰	سنہ۳۳۵	۹۹	۷	سنہ۳۴۲	سنہ۵۳۳ ابن ابو عامر	۱۰۳	۱۶	سنہ	سنہ۴۷
۸۴	۱۲و۱۸	عمرو	عمر	۹۴	۲	سنہ۵۳۶	سنہ۵۲۹	۱۰۱	۱۰	سنہ۵۳۲	سنہ۵۳۳	۱۳۹	۸	قلع	قلع (قبل)
۸۶	۲۱	سنہ	سنہ۱۴ میں	۹۴	۱۲	عرب	عرب ۵۱۵	۱۰۰	۸و۹	۱۰برس	۱۲برس	۱۴۹	۱۲	سنہ۹۹۹	سنہ۱۶۹
۸۷	۱۰	نظری	نظر	۹۰	۹	ہم	×	۱۰۰	۹	تیرتیں	بہبیس تیس	۱۵۱	۱۷	التقات	التقاط
۸۷	۱۲	صاحب کے	مصنف نے اپنے	۹۷	۹	کتاب	اہم کتاب	۱۰۰	۸	۹۴	۹۵	۱۵۱	۱۹	مسوق	مسبوق
۸۸	۱۱	یہ ہے	یہ	۹۷	۹	کے لیے	کے وقت	۱۰۲	۱	نہین	ہین	۱۵۱	۱۹	غر	شعر
												۱۵۱	۱۹	معافی	معانی